

عظیم لوگوں کے
عظیم مہمکامیات

غلام مصطفیٰ قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

۱۶

عظیم لوگوں کے عظیم مرقعات



تالیف
علی احمد باکشیہ

مترجم

غلام مصطفیٰ قادری

استاذ، دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بادامی باغ، لاہور

ضیاء الفکر پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

جملہ حقوق محفوظ ہیں

85108

عظیم لوگوں کے عظیم مکالمات

علی احمد باکثیر

غلام مصطفیٰ قادری

ایک ہزار

جون 2006

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

1Z236

قیمت 6 روپے

نام کتاب

تالیف

مترجم

تعداد

سال اشاعت

ناشر

کمپیوٹر کوڈ

قیمت

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953 فیکس:- 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7247350-7225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:- 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>



فہرست مضامین

4	عرض ناشر
5	اللہ تعالیٰ سے ملاقات
19	بیتِ عتیق
36	پہلا مشرک
52	غار والے
67	چھوٹی دیوار
80	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پڑوسی
96	عظیم امام
107	عدل و انصاف

عرض ناشر

انسان اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے مختلف اسلوب اختیار کرتا ہے۔ شاعر اپنے تخیلات کو شاعری کا لبادہ اوڑھتا ہے۔ ادیب اپنے افکار کو ادب کا جامہ پہناتا ہے۔ مقرر اپنے خیالات پر شستہ بیانی کارنگ چڑھاتا ہے۔ ان اسالیب میں ایک اسلوب مکالمہ بازی بھی ہے۔ جو گفتگو کا بڑا حسین اور موثر انداز ہے اور متکلم و مخاطب پر ایک گہرا تاثر چھوڑتا ہے۔ اسی تاثیر کا لحاظ کرتے ہوئے علامہ احمد علی باکثیر مصری نے ”ہکذا لقی اللہ عمر“ میں تاریخ کے چند درخشنده واقعات، جن کا اخلاقیات سے گہرا تعلق ہے، کو مکالمہ کی شکل میں تحریر کر کے ہمارا رابطہ ماضی سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسمعیل علیہ السلام، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب زندگی سے چند یادداشتوں کو بڑی خوبصورت اور دلنشین انداز میں بیان کیا ہے۔ اردو کے قالب میں اس کتاب کو جناب غلام مصطفیٰ القادری صاحب (استاذ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ لاہور) نے ”عظیم لوگوں کے عظیم مکالمات“ کے عنوان سے ڈھالا ہے۔ موصوف نے اس خوبصورت انداز سے ترجمہ کیا ہے کہ عربی بلاغت اور اسلوب بیان کی شائستگی اور روانی بھی برقرار رہے اور دلکشی و چاشنی بھی موجود رہے۔ امید ہے ادبی حلقے اسے سراہیں گے اور یہ ایک مفید اضافہ ثابت ہوگی۔

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

اللہ سے ملاقات

بنو امیہ کا ایک ایسا روشن ستارہ، جس کی وفات پر شاہ روم نے گلوگیر آواز میں کہا تھا۔

”اگر عیسیٰ مسیح کے بعد کوئی شخص مردوں کو زندہ کر سکتا تو وہ عمر بن عبد العزیز ہوتے۔ میں اس راہب کو پسند نہیں کرتا جو دنیا سے منقطع ہو کر عبادت خانہ میں جا بیٹھے۔ میں اس راہب پر تعجب کرتا ہوں جو دنیا کو اپنے قدموں کے نیچے رکھتا تھا اور پھر بھی راہبانہ زندگی بسر کرتا ہو۔“ (تاریخ اسلام: ۵۳۶)

1۔ رب سے ملاقات

(حضرت عمر بن عبدالعزیز بستر مرض پر ہیں۔ نزع کا عالم ہے۔ آپ کے پاس آپ کی شریک حیات فاطمہ اور بہنوئی مسلمہ بن عبدالملک بیٹھے ہوئے ہیں) مسلمہ: امیر المومنین! آپ کو یاد ہے کہ اس دن آپ کو بخنی کس نے پلائی تھی؟

عمر: نہیں۔ بس اتنا یاد ہے کہ میں نے کچھ پیا تھا۔ پچھلے ہوئے سیسہ کی سی کوئی چیز پی تھی۔

فاطمہ: امیر المومنین کو میرے اوڑ آپ کے خادم غصین کے علاوہ اور کون پلا سکتا ہے۔

عمر: نہیں، نہیں فاطمہ! اسے مجھ سے محبت ہے اور مجھے اس سے محبت ہے۔

مسلمہ: امیر المومنین! شاید کسی نے اسے پلانے کے لیے دی ہو؟

عمر: مسلمہ! جس بات کا تجھے علم نہیں وہ مت کہو۔

مسلمہ: اس دن غلام کی کھسر پھسر سے مجھ شک ہوا ہے۔

فاطمہ: ہاں، غصین واپس نہیں آیا جیسا کہ پہلے آجاتا تھا۔

عمر: سبحان اللہ! وہ اپنے آقا کی بیماری کی وجہ سے غمگین ہو گا۔ تمہیں میری زندگی کی قسم اس پر تہمت نہ لگاؤ۔

مسلمہ: امیر المومنین! ایسی کوئی بات نہیں، اور نہ ہی ہم اس پر کوئی بہتان باندھ رہے ہیں۔

عمر: ممکن ہے اس نے تمہارے دل میں کھٹکنے والی بات محسوس کر لی ہو اور اس سے اس پر خوف طاری ہو گیا ہو۔ فاطمہ! اسے میرے پاس لیکر آؤ۔ شاید میں اس کے دل کے اضطراب کو دور کر سکوں۔

عمر: مسلمہ! یہ قضا ہے..... (فاطمہ باہر نکلتی ہے) اسی نے مجھے پلایا ہے تاکہ اللہ اپنا حکم پورا کرے جو اٹل ہے۔

مسلمہ: امیر المومنین! اگر آپ کی طبیعت پر گرانی مجھے ناگوار نہ گزرتی تو میں آپ سے بحث کرتا۔

عمر: جھگڑانہ کرو۔ جھگڑا اور تلخ نوائی میرے نزدیک ناپسندیدہ ترین چیزیں ہیں۔

فاطمہ: (واپس آتی ہے) یہ ہے غصین۔ امیر المومنین!

عمر: آؤ۔ غصین! کیا تم مجھے غصین کے ساتھ تنہائی دو گے؟

مسلمہ: امیر المومنین! ضرور، بڑی خوشی کے ساتھ۔ (مسلمہ اور فاطمہ باہر نکلتے ہیں)

عمر: غصین! ڈرو نہیں۔ ادھر میرے قریب آؤ۔ کیا تم میرا حال دریافت نہیں کرو گے؟

غصین: (ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے) امیر المومنین! آج آپ کا کیا حال ہے؟

عمر: الحمد للہ! آج میں دنیا کی نسبت آخرت کو اپنے زیادہ قریب پاتا ہوں۔

غصین: (آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے) امیر المومنین! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔

عمر: بھی غصین! تم رو کیوں رہے ہو؟

غصین: کاش! آپ کی جگہ میں بیمار ہوتا۔

عمر: ہم میں سے ہر ایک کی مدت مقرر رہے اور اس سے کوئی تجاوز نہیں کر

سکتا۔ میں اپنے کریم رب کے ہاں حاضر ہونے والا ہوں۔ سوچا ہوتا ہوں

کہ جو مجھے دوست رکھتا ہے وہ میرے خوف کی وجہ سے کسی خیر و بھلائی

سے محروم نہ رہے۔ غصین! تم مجھے دوست نہیں رکھتے؟

غصین: امیر المومنین! کیوں نہیں۔ اللہ کی قسم

عمر: کیا تم میری ان زیادتیوں کو معاف کر دو گے جو کبھی کبھار بے خبری میں

تمہارے ساتھ ہو جایا کرتی ہیں؟

غصین: امیر المومنین! مہربانی فرما کر شر مندہ نہ کریں۔ مجرم تو میں ہوں آپکا۔

آپ تو محسن اور مہربان ہیں۔ میں تو برباد ہو گیا، تباہ ہو گیا ہمیشہ کے لئے!

عمر: صبر سے کام لو۔ اپنے لیے بد دعا نہیں کرنا چاہئے۔

غصین: امیر المومنین! مجھے مار ڈالیں۔ آپ حکم دیں کہ وہ مجھے قتل کر دیں

کیونکہ میں قتل کے ہی لائق ہوں۔

عمر: خاموش! اپنی آواز کو دھیمار کھودہ سن نہ لیں۔

غصین: امیر المومنین! جب آپ اتنے بڑے جرم کو معاف کر دیں گے تو مجھے

ان کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔

عمر: آہستہ بولو، میرے لیے آواز کو دھیمار کھو۔

غصین: (دھیمی آواز سے) مجھے معاف کر دیں۔ امیر المومنین! مجھے معاف کر

دیں۔

معاف تو اللہ وحدہ کی ذات کرنے والی ہے لیکن میں اپنا حق معاف کر سکتا ہوں اور تم سے درگزر کر سکتا ہوں بشرطیکہ تم میری ایک بات کی تصدیق کرو۔

عمر:

امیر المومنین! قسم بخدا! میں آپ کی ہر بات کی تصدیق کروں گا اور آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔

غصین:

آہستہ بولو۔

عمر:

(آواز آہستہ کرتا ہے) میں ہی وہ بد بخت، ناعاقبت اندیش ہوں جس نے نیچنی میں زہر ملایا تھا۔

غصین:

غصین! جس دن تم نے مجھے پلائی تھی مجھے اسی دن سے علم ہے۔

عمر:

آپ کو علم تھا تو پھر آپ نے آج ہی کیوں بات کی؟

غصین:

اگر مجھے تم سے محبت اور تیرے بارے میں قیامت کے دن اللہ کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو میں اب بھی تم سے بات نہ کرتا۔

عمر:

امیر المومنین! مجھے اپنے کیے کا اعتراف ہے کیا میری بخشش ہو سکتی ہے؟

غصین:

غصین! تیرے شر مندہ ہونے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے

عمر:

سے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً تیری توبہ کو شرف قبولیت بخشے گا۔

اور اس لیے آپ نے مجھ سے بات کی ہے؟

غصین:

ہاں۔ تجھے کس نے ورغلا یا؟

عمر:

لا لچ۔ امیر المومنین!

غصین:

کیا اس کے بدلے میں تجھے کچھ دیا گیا ہے؟

عمر:

ہاں۔ میں آپ کو اس کے بارے میں ضرور بتاؤں گا جس نے مجھے لا لچ دیا

غصین:

ہے۔

عمر: نام بتانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ بتاؤ کہ اس نے تمہیں کتنا مال دیا ہے؟
غصین: امیر المومنین! ہزار دینار۔

عمر: اور تو نے تمام وصول کر لیے ہیں؟
غصین: نہیں۔ امیر المومنین! اتنے..... اتنے.....

عمر: یہاں تک کہ میں مر جاؤں؟
غصین: ہاں۔ ہائے میں برباد ہو گیا۔

عمر: میں مر گیا تو وہ تمہیں ہر گز کچھ نہیں دیں گے اور ممکن ہے کہ تمہیں راز فاش ہونے کے خدشے سے قتل کر دیں۔ غصین! آیا تم اپنا بھلا چاہتے ہو اس طرح کہ دنیا کی سزا سے بھی بچ جاؤ اور آخرت کے عذاب سے بھی نجات پا جاؤ؟

غصین: امیر المومنین! وہ کیسے؟ مجھے بتائیے

عمر: اسی وقت اپنے صاحب کے پاس جاؤ اور اس سے پورے دینار وصول کرو اور پھر فوراً میرے پاس واپس آؤ۔

غصین: امیر المومنین! جیسے آپ کی مرضی

عمر: اس سے کہو کہ اگر تم نے پورے دینار نہ دیے تو تمہارا نام بتا دوں گا۔ وہ اس سے ڈر جائیگا اور تمہیں دے دیگا۔ ابھی جاؤ۔

غصین: ضرور امیر المومنین! اے معزز و مکرم انسان (نکلنے لگتا ہے)

عمر: غصین! ٹھہرو اپنی آنکھوں سے یہ آنسو پونچھ لو۔ اور کسی کو مت بتانا۔ یہ میرے اور تمہارے درمیان راز ہے۔

غصین: (اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھتا ہے) ہائے میں برباد ہو گیا۔

عمر: اگر تم سے کوئی پوچھے تو بتا دینا کہ امیر المومنین کے کسی اہم کام کے لیے

جار ہا ہوں۔

اب جاؤ۔

(غصین باہر نکلتا ہے)

(زیر لب بولتے ہیں) اللہ اپنے بندے غصین کی مغفرت فرمائے۔
غلام کو کسی کام کے لیے بھیجا ہے؟ (مسلمہ اور فاطمہ داخل ہوتے ہیں)
ہاں اپنے ایک دوست کے پاس مجھے امانت یاد آگئی اسے وہ لینے کے لیے
بھیجا ہے۔

امانت؟

فاطمہ! میرے قریب آؤ۔ مجھے تم سے ایک راز کی بات کرنی ہے جو بڑی
دیر سے میرے دل میں کھٹک رہی ہے۔

(نکلنے لگتا ہے) امیر المومنین! اب اپنی زوجہ محترمہ سے بات کر لیں۔

مجھے اجازت دیں؟

بھائی! آپ بھی ٹھہریں۔ وہ آپ کی بہن ہے۔ اور آپ کا موجود ہونا
زیادہ بہتر ہے۔ فاطمہ! میری بات غور سے سنو۔

امیر المومنین! میری جان آپ پر قربان ہو۔ فرمائیے!

تمہیں اپنا وہ زیور اور جواہرات یاد ہیں جو ہم نے بیت المال میں امانت
رکھوائے تھے؟

امیر المومنین! مجھے ان کے بارے میں تسلی ہے۔ انہیں کیا ہوا؟

وہ محفوظ ہیں اور ان پر تمہارا نام درج ہے۔ بیت المال نے ضائع نہیں
کیے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے بعد جو خلیفہ آئے گا وہ تمہیں ہر گز واپس
نہیں کریگا۔ اگر تم واپس لینا چاہتی ہو تو تم اس کا حق رکھتی ہو۔

مسلمہ: ہاں، فاطمہ یہ تمہارا حق ہے اور تم اس کی حقدار بھی ہو۔

فاطمہ: امیر المومنین! جب آپ اجازت دیتے ہیں تو میں لے لیتی ہوں اور انہیں غرباء اور یتیموں پر صدقہ کر دیتی ہوں۔

عمر: فاطمہ! تو نے بہت اچھی بات کہی ہے خدا کی قسم میں دنیا کے مال سے تسلی پا کر جاؤنگا۔ میرے وہی بیوی بچے ہیں جن کے بارے میں مجھے امید ہو کہ وہ قیامت کے روز اپنی نیکی اور پارسائی کی بدولت میری شفاعت کریں گے۔

فاطمہ: ابو عبد المالک! بلکہ ہم سب کی تو آپ سفارش کریں گے۔

عمر: نہیں فاطمہ! تم زاہد ہو اس طرح کہ تم اس زیب و زینت اور مال و متاع سے دور رہی ہو جس پر عورتوں کے دل مچل اٹھتے ہیں۔ تم میری نسبت زیادہ پرہیزگار ہو، اسی طرح میرا بیٹا عبد المالک۔ اللہ اس پر رحم فرمائے اور اسے اپنی عافیت میں رکھے۔ کیونکہ وہ بھی بڑا پرہیزگار ہے حالانکہ وہ ابھی عالم شباب میں ہے۔

مسلمہ: واللہ! امیر المومنین! یہ آپ کی عمدہ تربیت کی بدولت ہی صالح ہیں۔

عمر: (مسلمہ سے فاطمہ کی طرف منہ پھیرتے ہیں) فاطمہ! مجھے ایک بات اور بھی کرنی ہے۔

فاطمہ: امیر المومنین! وہ کیا ہے؟

عمر: منصب خلافت نے ایک عرصہ تک مجھے مصروف رکھا اور میں تمہارے حقوق پوری طرح ادا نہیں کر سکا۔ کیا اتنی گنجائش ہے کہ میری کوتاہی کو معاف کر دو۔

فاطمہ: (روتی ہے) ابو عبد المالک! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ کیا مجھ سے یہی

بات کرنا تھی؟ میں تو اس خدمت کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کے حضور
اور دار آخرت میں کامیابی اور سرخروئی کی امیدوار ہوں۔ اور اگر آپ
مسلمانوں کی خیر و بھلائی اور فلاح و بہبود میں مشغول رہے ہیں تو کیا ہوا،
شروع میں ہماری بھی تو بڑی دیکھ بھال کی ہے۔

ہاں، فاطمہ! میں اسی طرح رہنا چاہتا تھا۔ اگر تمہارا بھائی سلیمان مجھے
خلافت کا طوق نہ ڈالتا۔

امیر المومنین! میں نہیں سمجھتا کہ اللہ کے نزدیک میرے بھائی کا اس سے
بڑھ کر کوئی نیک عمل ہو۔ خدا کی قسم آپ نے اللہ کو راضی اور مسلمانوں
کو خوش کیا ہے اور ہم آل مروان کے چہروں کو روشن کر دیا ہے۔

مسلمہ! یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ یہ تو قیامت کے روز ہو گا جس دن کچھ
چہرے روشن ہونگے اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے۔ اور آل مروان تو مجھ
سے ناراض ہیں۔

وہ آپ کی بعض سختیوں کی وجہ سے ناراض ہیں۔ بعد میں وہ آپ پر فخر
کیا کریں گے۔

یہ جاہلوں کی جہالت کا تکبر اور غرور ہے براہو ان کا خدا کی قسم میں روز
قیامت ان پر حجت قائم کروں گا۔

بجا فرمایا۔ اگر آپ چاہیں تو امیر المومنین! آپ اپنے مخالفین سے
قصاص لیں اگر کوئی ہے تو۔

مسلمہ! چپ رہو اور مجھے چکر مت دو۔ بنو مروان میں میرا کوئی دشمن
ہے نہ کسی قوم میں میرا کوئی مخالف ہے۔ کیا مجھے پریشان کرنا چاہتے ہو؟
امیر المومنین! معاذ اللہ۔ میں تو صرف آپ کی خوشنودی چاہتا ہوں۔

فاطمہ: میرے بھائی کو معاف فرمادیں۔ امیر المومنین! آپ سے محبت رکھتا ہے۔
عمر: فاطمہ! مجھے بھی اس سے محبت ہے اور اس کے اللہ کی راہ میں جہاد اور
عمدہ صبر و آزمائش کی قدر کرتا ہوں۔
(غصین دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اندر آنے کی اجازت
مانگتا ہے)

فاطمہ: امیر المومنین! یہ غصین آیا ہے۔

عمر: غصین! آ جاؤ۔

(ایک بڑی تھیلی اٹھائے غصین اندر داخل ہوتا ہے)

عمر: غصین! امانت لے آئے ہو؟

غصین: ہاں۔ امیر المومنین!

عمر: میں ایک مرتبہ پھر تنہائی چاہتا ہوں۔ کیا تم.....؟

مسلمہ: جیسے آپ کی مرضی۔ امیر المومنین! (مسلمہ اور فاطمہ باہر نکلتے ہیں)

عمر: میرے قریب آؤ اور اپنی آواز کو دھیمار کھنا۔ کیا یہ پورے ہزار دینار
ہیں؟

غصین: ہاں۔ امیر المومنین!

عمر: غصین! میں چاہوں تو یہ دینار تمہارے پاس چھوڑ سکتا ہوں اگر قیامت

کے دن تمہارے آگ میں جلنے کا خوف نہ ہو تو۔ کیا تم اپنی لیے خیر و بھلائی

چاہتے ہو؟ چاہتے ہو تو میں انہیں بیت المال میں واپس لوٹا دیتا ہوں۔

غصین: امیر المومنین! جو آپ بہتر خیال کرتے ہیں، کریں۔ اللہ کی قسم مجھے ان

کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی وجہ سے ہی تو میں دنیا کا مبعوض ترین

انسان بن گیا ہوں۔

عمر: غصین: اللہ تجھے برکت دے۔ میں تو یہی چاہتا ہوں کہ وہ تیری ذبہ کو قبول فرمائے۔ اب جاؤ۔ اللہ کی رضا کی خاطر اللہ کے نام پر تم میری طرف سے آزاد ہو۔

غصین: (روتا ہے) امیر المومنین! کیا آپ مجھے آزاد کر رہے ہیں؟
عمر: ہاں۔ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ، کسی ایسی جگہ جہاں کوئی تمہیں پہچانتا نہ ہو۔

غصین: امیر المومنین! کیا آپ کے پاس آپ کی خدمت کے لیے نہ رہوں؟
عمر: بھئی غصین! ایک قریب المرگ آدمی کی تم کیا خدمت کرو گے۔ اگر شام کو ہوں تو صبح کا معلوم نہیں۔ اگر صبح کو ہوں تو شام کا پتا نہیں، زندہ رہتا ہوں کہ نہیں۔

غصین: بلکہ امیر المومنین! اللہ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔
عمر: بھائی! اب جاؤ اور ان کے پاس مت ٹھہرنا ورنہ یہ تمہیں قتل کر دیں گے۔

مسلمہ: امیر المومنین! معاف کرنا۔ اس غلام کو اس کے جرم کی سزا دیئے بغیر یوں بری کرنا مناسب نہیں۔ (غلام کو کلائی سے پکڑتا ہے)
عمر: (ناراض ہوتے ہوئے) ابن عبد المالک! برا ہو تمہارا۔ ہماری گفتگو کو تم نے سن لیا ہے؟

مسلمہ: نہیں۔ رب کی قسم۔ امیر المومنین! لیکن آپ کی اور اس کی آواز ہمارے کانوں میں پڑی ہے۔

فاطمہ: (اندردا خل ہوتی ہے) ہاں۔ امیر المومنین! مسلمہ نے سچ کہا تھا۔
عمر: جب تم دونوں نے سن ہی لیا ہے تو اسے راز میں رکھنا۔ میں نے اس سے

درگزر کرتے ہوئے معاف کر دیا ہے۔ مسلمہ! اسے چھوڑ دو۔ میں نے اسے اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے آزاد کر دیا ہے۔

مسلمہ: امیر المومنین! خدا کی قسم۔ نہیں۔ ایک غدار، مکار اور دھوکے باز غلام کی جزایہ نہیں کہ اسے اللہ کے نام پر آزاد کر دیا جائے۔ اس کے جرم کی پاداش میں اسے پکڑنا ضروری ہے۔

عمر: (نرئی سے) دیکھو مسلمہ! اگر تم اس غلام کو اس کے جرم کے بدلہ میں پکڑو گے تو وہ تجھ پر اس بات کا حق رکھتا ہے کہ تم اس جرم میں شریک دوسروں کو بھی پکڑے۔ اس طرح تیرے خاندان میں فتنہ کھڑا ہو جائیگا اور اس کا انجام سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

مسلمہ: کوئی بات نہیں۔ ہر اس سے قصاص لیا جائے گا جو اس میں شریک ہو گا۔ خواہ کوئی ہو۔

عمر: (واسطہ دیتے ہوئے) اے میرے چچا زاد! اللہ تمہیں سمجھ عطا فرمائے اور تمہاری اصلاح فرمائے کہ دنیا کی اس زندگی میں میرے آخری دن، میری نافرمانی نہ کرو۔ فاطمہ! اپنے بھائی کو سمجھاؤ۔

فاطمہ: مسلمہ! امیر المومنین کی بات مان لو۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ اس حالت میں ہمیں ان کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے۔

مسلمہ: (غلام کو چھوڑتا ہے) لیجئے جناب امیر المومنین! جیسے آپ کی خوشی۔

فاطمہ: غصین! ہماری طرف سے اپنا چہرہ پھیر لو۔ جاؤ، اللہ تجھے برباد کرے۔

عمر: نہیں۔ بلکہ اللہ اس کی بخشش فرمائے اور اسے برکت سے نوازے۔

غصین! جاؤ اور اپنے اور میرے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرنا۔
(غصین کی ہچکی بندھ جاتی ہے)

(درد سے کراہتے ہیں) اف میرا سر! (بستر پر بے ہوش کر گر پڑتے ہیں)۔

دیکھو مسلمہ! آپ بیہوش ہو گئے ہیں۔

بہن! صبر سے کام لو۔ معمولی سی بیہوشی ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔
(آپ اپنی آنکھیں کھولتے ہیں اور بولنے کی کوشش کرتے ہیں) مسلمہ! مسلمہ!

جی جناب امیر! فرمائیے۔

غصین جو تھیلی لیکر آیا ہے وہ کہاں ہے؟

امیر المومنین! یہ آپ کے سامنے پڑی ہے۔

مسلمہ! یہ میری نہیں ہے۔ یہ بیت المال کی ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ اسے بیت المال میں جمع کر ادینا۔

امیر المومنین! میں بیت المال میں جمع کر ادوں گا۔

میرے چچا زاد اللہ تجھے جزائے خیر دے اور اے فاطمہ! تجھے بھی۔

(صبر و تحمل سے) ہاں۔ امیر المومنین!

مجھ پر تمہارے جو حقوق تھے کیا مجھے وہ معاف نہیں کر دو گی؟

امیر المومنین! میں نے کوئی ایسی بات کی ہے؟

اللہ ایک صالح اور نیک بیوی کو اپنی جناب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

فاطمہ! میں تمہیں اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ (آپ اپنی آنکھوں کو

اوپر کی جانب کر لیتے ہیں) اے اللہ! مجھے اپنی قضاء سے راضی کر

دے، اور اپنی تقدیر کو مبارک بنا دے کہ جسے تو جلد چاہے میں اسے

تاخیر سے نہ چاہوں۔ اور جسے میں تو تاخیر چاہے میں اس میں جلدی نہ

چاہوں۔ (اچانک آپ کا چہرہ خوشی سے کھلکھلا اٹھتا ہے) خوش
آمدید..... خوش آمدید پاکیزہ معززین!
فاطمہ: امیر المومنین! کن کو؟

عمر: ان روجوں کو جو انسان ہیں اور نہ جن۔

فاطمہ: جناب عمر! میری جان آپ پر قربان ہو۔

عمر: (گویا آپ کو اپنے گرد و پیش کی کوئی ہوش نہیں) یہ دار آخرت ان

لوگوں کا نصیب ہے جو زمین پر بڑائی کا اظہار نہیں کرتے اور فساد برپا

نہیں کرتے۔ بلاشبہ نیک انجام پر ہمیز گاروں ہی کا ہوتا ہے اشہد ان لا الہ

الا اللہ و اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ۔ (فاطمہ اور مسلمہ بھی رقت اور

خشوع خضوع کے ساتھ کلمہ شہادت پڑھنے لگتے ہیں)

عمر: (تھوڑا سا افاقہ پاتے ہیں) غصین! غصین کہاں ہے؟

مسلمہ: (تحمل سے) امیر المومنین! وہ چلا گیا ہے۔

عمر: (کمزور آواز سے) الحمد للہ۔ (سانس کی ڈوری ٹوٹنے لگتی ہے) باری

تعالیٰ! اپنے بندے غصین کی بخشش فرما، اپنے بندے غصین کے ساتھ

اپنے غلام عمر کو بھی معاف فرما دے۔

(انہی کلمات پر اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں)

بیت عتیق

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ کے دو مقبول اور برگزیدہ بندوں کے ایمان افروز جذبات:

”جو خود کعبہ کی دیواریں چن رہے ہیں، بلند اقبال فرزند پتھر اور گاراٹھا اٹھا کر لا رہا ہے۔ نسیم رحمت کے جھونکوں سے دل کے غنچے شگفتہ ہو رہے، کیف و سرور کی ایک ناقابل بیان کیفیت طاری ہے۔“ (ضیاء القرآن: ۱/۹۳)

”اس کی برکتوں کا کیا کہنا اس میں ایک نماز پڑھی جائے تو لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے، ایک ختم قرآن کیا جائے تو لاکھ ختم کا ثواب ملتا ہے۔ نیز اس کا حج اور عمرہ کرنے والوں، اس کے گرد طواف کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جو بارش برستی ہے اس کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے۔“ (ضیاء القرآن: ۱/۲۵۴)

2۔ بیت عتیق

(بیت عتیق کے ارد گرد کا سہانا منظر ہے۔ اس کی تعمیر مکمل ہونے کے قریب ہے۔ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام اپنے رب کے گھر کی تعمیر میں ہمہ تن سرگرم عمل ہیں)

ابراہیمؑ: اسماعیل! کیا بات ہے، آج بڑے خاموش ہو؟

اسماعیلؑ: آپ سے میں نے جو کلام سنا تھا دل میں وہ دہرا رہا ہوں۔ (اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عمل قبول فرما۔ بے شک تو ہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے)۔

ابراہیمؑ: بیٹا! اللہ تعالیٰ ہماری ضرور سنتا ہے، وہ دعا کو سننے والا بھی ہے اور قبول کرنے والا بھی۔ آؤ بیٹھ کر کوئی گفتگو کرتے ہیں۔ اسماعیل! کہیں میری بات نے تمہیں ملول تو نہیں کر دیا؟

اسماعیلؑ: معاذ اللہ۔ ابا جان! لیکن میرا خیال تھا کہ اگر تھوڑی دیر کے لیے بات چیت کرنے سے رک جائیں تو مجھے امید ہے کہ ہم بہت جلد اپنے کام سے فارغ ہو جائیں گے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں آج کسی وجہ سے کام مکمل ہونے سے رہ نہ جائے۔

ابراہیمؑ: بلکہ بات چیت کام کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے ہمیں مشقت کا احساس تک نہیں ہوتا۔

کیا تمہیں کوئی ضرب المثل آتی ہے جو اس موقع پر بولی جاتی ہے۔

اسماعیل: ابا جان! کیوں نہیں۔ اس موقع پر لوگ کہتے ہیں ”اچھلنی و اچھلک“

ابراہیم: جو ضرب المثل ہم شام میں کہتے ہیں اس کی نسبت یہ زیادہ اچھوتا قول

ہے۔ حالانکہ یہ مختصر بھی ہے اور عمدہ ترین بھی۔

اسماعیل: ابا جان! میری آرزو ہے کہ میں بھی اتنا ہی اچھا بولوں جتنا آپ اچھا

بولتے ہیں۔ میں بھی اسی روانی سے زبان بولوں جس روانی سے میرے

یہ سسرال بولتے ہیں۔

ابراہیم: بلکہ کاش! میں بھی تمہاری یہ حسین زبان بولنے پر قادر ہوتا تو اس میں

گفتگو کرتا۔ یہ تو بڑی شریف اور کریم زبان ہے۔

اسماعیل: شریف اور کریم؟ وہ کیسے؟

ابراہیم: اسماعیل! عنقریب اللہ تعالیٰ اپنی ذیشان کتاب کریم اپنے رسول عظیم

ﷺ پر نازل فرمائے گا۔ جو تیری اولاد میں سے ہو گا۔ سو یہ قیامت تک

شرق تا غرب ہدایت یافتہ لوگوں کی زبان ہو گی۔

اسماعیل: (خوشی سے) پھر تو آپ ہمارے پاس قیام فرمائیں اور ہمیں اسے

سکھائیں۔

ابراہیم: بیٹے! میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ مجھے تو حکم ہے کہ یہ ہجرت فقط اللہ کے

لیے ہو۔ اور اگر میں آپ کے پاس ٹھہرتا ہوں تو امر الہی پورا نہیں ہو

گا۔ دیکھو اسماعیل! اگر مجھے ٹھہرنا ہوتا تو تمہاری ماں ہاجرہ اس بات کی

زیادہ حقدار تھی کہ میں اس کے پاس ٹھہرتا۔ (رقت آمیز لہجے میں)

میں نے اسے یہاں تنہا موت کے لیے نہیں چھوڑا تھا اور نہ اس لیے کہ

وہ مجھے نہ ملے۔

اسماعیل: ٹھیک ہے ابا جان! آپ اپنے رب کا حکم ضرور بجالائیں۔ اور اس پر

کاربند رہیں۔

ابراہیمؑ: (سنجالا دیتے) اسماعیل! میں تو محض اللہ کا ایک ادنیٰ بندہ ہوں مجھے جو

حکم ملتا ہے سو وہ بجالاتا ہوں..... اللہ تعالیٰ نے اس امت عظیمہ کے باپ کے طور پر تجھے منتخب فرمایا ہے، مجھے نہیں۔

اسماعیلؑ: ابو جان! تب آپ بھی تو اس کے باپ ہو گئے۔

ابراہیمؑ: سچ کہا تو نے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام ملت، ملت توحید و اسلام کا

باپ بنایا ہے جس میں مختلف نسب، رنگ اور دیار ہو گئے۔ صرف ایک امت کا باپ نہیں بنایا۔

اسماعیلؑ: مرحبا، آفرین اے خلیل الرحمن!

(اسماعیلؑ کی زوجہ محترمہ آتی ہیں)

ابراہیمؑ: خوش آمدید، خوش آمدید۔ مرد کریم کی شریک حیات اور عظیم قوم کی ماں۔

زوجہ: چچا جان! یہ نسب آپ کی مہربانی ہے۔

ابراہیمؑ: بیٹی! یہ سب تمہارا احسان ہے۔ جب میں تجھے صبر و شکر کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میں کہتا ہوں کہ تم اس قوم کی ماں بننے کی حقدار ہو۔

اسماعیلؑ: (گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے اس انداز میں، جیسے وہ نہیں چاہتے کہ ان

کی زوجہ ان کے کام میں خلل ڈالے) میرے لائق تمہارا کوئی اور کام ہے؟

زوجہ: کام تو کوئی نہیں۔ البتہ میرے بھائی اور دوسرے قرابتدار اس بات پر

اصرار کر رہے ہیں کہ انہیں بھی اجازت دی جائے تاکہ اس عمارت کے بلند کرنے میں وہ تمہاری مدد کر سکیں۔

اسماعیلؑ: میں نے انہیں پہلے دن سے کہا ہے کہ یہ امر الہی ہے۔ ہم اس کی اسی

85108

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

طرح بجا آوری کریں گے جس طرح ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

ہاں۔ تم جا کر ان سے ہماری طرف سے معذرت کرو اور ان کا شکریہ ادا

کرو۔ اور کہو کہ انہوں نے اپنے حسن اخلاق سے ہماری مدد کر دی ہے۔

وہ اتنی سی بات پر باز نہیں آئیں گے، اور خیال کریں گے آپ لوگ

انہیں اس لیے کام سے منع کرتے ہیں کہ آپ انہیں مشقت میں ڈالنا

پسند نہیں کرتے۔۔۔۔۔ وہ طاقتور نوجوان ہیں۔ انہیں اسماعیلؑ اور ان کے

والد گرامی سے انس و محبت ہے۔ اور کریم مہمان کے ان کی میزبانی کو

ٹھکرانے سے ان کی دل شکنی ہوگی۔

انہیں کہو کہ عمارت اب تقریباً مکمل ہو چکی ہے..... کیا تم نہیں دیکھ

رہی ہو؟

اسی چیز نے تو انہیں اکسایا ہے کہ آج آپ انہیں اجازت دے دیں تاکہ

ان کے دل بھی خوش ہو جائیں۔

ابا جان! آپ کا کیا خیال ہے؟

میں تو سمجھتا ہوں کہ ہمیں ہی اپنے رب کا حکم پورا کرنا چاہئے اور ایک

شریف اور نیکو کار قوم کو تکلیف دیکر کسی گناہ میں مبتلا نہ کریں۔

امر الہی تو یہی ہے کہ اس کی دیکھ بھال ہم ہی کریں۔ تم ان کے پاس جاؤ

اور انہیں سمجھاؤ۔

بلکہ ٹھہرو۔ انہیں قربانی والی بات بتاؤ۔ یہ سن کر شاید وہ مان جائیں کہ یہ

امر ربی ہے اور اس میں کوئی نرمی نہیں..... اسماعیلؑ! کیا تو نے اپنی

شریک حیات کو حدیث فداء سنائی ہے؟

کیوں نہیں۔ عم محترم!..... جب آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ

اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ پس آپ نے پکارا وہ کر لیا کہ اللہ کا حکم پورا کر کے رہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ”ذبح عظیم“ کے ساتھ ان کا فدیہ قبول نہ کرتا تو.....

ابراہیمؑ: ہاں ہاں۔ یہی بات ہے۔

زوجہ: آہ..... اگر یہ فدیہ قبول نہ ہوتا تو ہمیں اسماعیلؑ نصیب نہ ہوتے۔

اسماعیلؑ: اپنی قوم کے نوجوانوں کو یہ بات بتاؤ اور انہیں سمجھاؤ کہ یہ حکم بھی اسی طرح کا ہے۔

زوجہ: (خوشی سے) حضور! اب میں انہیں روک سکوں گی۔

اسماعیلؑ: ان سے کہو کہ تمہارا ہم پر یہی احسان کافی ہے کہ جب سے میں شکار کے لیے نہیں جا رہا ہوں۔ تم ہمیں اپنے شکار سے نواز رہے ہو۔

زوجہ: (فخریہ انداز میں) نہیں اسماعیلؑ۔ یہ کوئی بات نہیں۔ میں ابھی انہیں روکنے کے لیے جاتی ہوں اور دو پہر کو تمہارے پاس دوبارہ آؤں گی۔

ابراہیمؑ: جب ہم کام سے فارغ ہوں تو اس وقت کھانا لانا۔ بس تھوڑا سا کام باقی ہے۔

زوجہ: اسماعیلؑ! یہ مہمان کہہ رہے ہیں؟

ابراہیمؑ: بیٹی! میں مہمان ہر گز نہیں۔ البتہ مجھے بھوک لگی ہوئی ہے اور تھکاوٹ بھی ہے۔

زوجہ: تب آپ حکم کریں (باہر جاتی ہیں)

ابراہیمؑ: (خوش ہوتے ہوئے) کس قدر ذہین، خوش باش اور شریف خاتون ہے۔ بالکل ہاجرہ کے مشابہ ہے۔

اسماعیلؑ: (ہنستے ہیں) اللہ اسے خوش رکھے..... اس نے تو ہمیں کام سے ہی

روک دیا تھا۔

ابراہیم: (کام کو چھوڑتے ہیں) بیٹا! آؤ تھوڑا سا سستالیں۔

اسماعیل: ابا جان! میں بھوکا ہوں نہ تھکا ہوں۔ معمولی سا کام باقی ہے پہلے کر لیں۔

پھر آرام کریں گے۔

ابراہیم: زیادہ مناسب تو یہی ہے کہ ہم اب آرام کر لیں۔

اسماعیل: جب تک آپ کی بھوکھانا لیکر نہیں آتی میں پتھر کو قریب کرتا ہوں۔

ابراہیم: اسماعیل! اپنے باپ کی بات نہیں مانتا۔

اسماعیل: (ہاتھ میں پکڑے پتھر پھینکتے ہیں)۔ معاذ اللہ۔ اے خلیل اللہ۔ میں

تو سراپا اطاعت شعار ہوں۔

ابراہیم: آؤ ہم اس بلند چٹان پر بیٹھتے ہیں۔

(دونوں چٹان پر چڑھتے ہیں اور اس پر بیٹھ جاتے ہیں)

ابراہیم: (جرہم کے خیموں کی طرف دیکھتے ہیں) ماشاء اللہ! یہ آپ کے

سراں جرہم کے خیمے ہیں۔ الحمد للہ۔ اللہ نے میری دعا کو شرف

قبولیت بخشا۔ جس سے لوگوں کے دل تمہاری طرف کھینچے چلے آئے۔

اسماعیل: ہاں ابا جان! ہمارے ہاں ہر روز نئے خیمہ کا اضافہ ہو رہا ہے۔

ابراہیم: اللہ تعالیٰ زم زم میں برکت دے۔ زم زم والی صدیقہ مصریہ اسماعیل کی

ماں کو بھی برکت سے نوازے۔ جو اولاد اسماعیل سے سید الکونین اور

مختار کل کی بھی ماں ہے۔

اسماعیل: (آنکھوں سے آنسو ٹپکتے ہیں) ابا جان! کاش آج امی جان ہوتیں۔

(تسلی دیتے ہیں) بیٹے! وہ اللہ کے جوار قدس میں بہتر حال میں ہو

گی۔ (ٹھنڈی آہ بھرتے ہیں) سال کس قدر تیزی سے گزر گئے ایسے

محسوس ہوتا ہے کہ یہ کل ہی کی بات ہے جب میں تم دونوں کو لیکر یہاں آیا، پھر تمہیں یہاں چھوڑ دیا..... حالانکہ تم اس وقت شیر خوارگی کی عمر میں تھے..... اس دن وہاں نہ پانی تھا نہ کوئی ساتھی، کچھور کی ٹوکری اور پانی کے مشکیزہ کے سوا تمہارے پاس اور کوئی چیز نہ تھی..... میں نے جب جانے کا ارادہ کیا تو تمہاری ماں نے چلا کر کہا: ابراہیم! تم کہاں جا رہے ہو ہمیں اس وادی میں چھوڑ کر، جس میں کوئی مہربان ہے نہ کسی چیز کا نام و نشان، میں غمگین کھڑا رہا اور مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ جب اس نے میری یہ حالت دیکھی تو کہا: کیا یہ اللہ کا حکم ہے؟ میں نے کہا، ہاں۔ بولی پھر وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑے گا۔ آپ جہاں چاہیں جائیں۔ بیٹے! پھر میں وہاں سے چل پڑا اور اسے باور کرایا کہ میں اس پر صابر ہوں تاکہ میرا حزن و ملال اسے غمگین نہ کر دے، یہاں تک کہ اس گھاٹی پر پہنچ گیا جہاں سے میں اس آنکھوں سے او جھل ہو گیا۔ میں نے اپنا منہ اس مقدس گھر کی طرف کیا اور تیرے لیے اور اس کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

اسماعیل:

امی جان نے بتایا تھا کہ وہ اس دن میرے اور اپنے بارے میں درندوں اور ڈاکوؤں سے خوفزدہ ہوئی تھیں لیکن جب آپ نے کہا کہ یہ اللہ کے حکم سے ہے تو انہیں سکون اور اطمینان ہو گیا۔

ابراہیم:

ہاں بیٹے! اللہ تعالیٰ جس چیز کو پسند کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے اگر دوسری عورت اس دن نہ بولتی تو اسے یہ امن اور اطمینان نہ ہوتا (ٹھنڈا سانس لیتے ہیں) بیٹے! ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے..... اس نے تمہاری خالہ سارہ کے دل میں الہام کیا کہ

وہ تجھ سے اور تیری ماں سے غیرت کھائے تاکہ یہ اس عظیم الشان گھر کی تعمیر کا سبب بنے اور طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کیلئے اس گھر کو بنانے اور اسے پاک کرنے کا مجھے اور تمہیں شرف بخشے۔
(حضرت اسماعیلؑ کی زوجہ محترمہ ٹوکری اور مشکینہ اٹھائے واپس لوٹتی ہیں)

زوجة: آپ کھانے کے لیے نیچے تشریف لائیں گے یا میں اوپر چلی آؤں؟
ابراہیمؑ: بیٹے! نیچے اترو اور اس سے سامان پکڑ لو۔

(اسماعیلؑ نیچے اترتے ہیں، اپنی زوجہ محترمہ سے ٹوکری اور مشکینہ پکڑتے ہیں اور پھر اوپر چڑھتے ہیں)

ابراہیمؑ: بیٹی! نوجوانوں کا کیا بنا؟..... وہ باز آگئے ہیں؟

زوجة: ہاں۔ عم محترم۔ اور وہ خوش ہو گئے ہیں۔

ابراہیمؑ: الحمد للہ۔

زوجة: جب قورمہ اور چاہئے تو حکم فرمانا اور بھی موجود ہے۔

ابراہیمؑ: اللہ تجھے برکت دے۔

زوجة: (مسکراتے ہوئے) واہ عظیم قوم کی ماں! (واپس مڑتی ہیں)

(حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہنستے ہیں)

ابراہیمؑ: بسم اللہ الرحمن الرحیم (کھانا شروع کرتے ہیں)

اسماعیلؑ: بسم اللہ الرحمن الرحیم (بے دلی سے کھاتے ہیں، جیسے کسی گہری

سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں)

ابراہیمؑ: بیٹے! کیا بات ہے؟ یہ لذیذ قورمہ تمہیں پسند نہیں آیا؟

اسماعیلؑ: کیوں نہیں ابا جان، ہمارے ہاں بہترین کھانا یہی ہے۔

ابراہیمؑ: پھر کیا وجہ ہے کہ میری طرح خوشدلی سے کھانا نہیں کھا رہے۔ کس سوچ میں مگن ہو۔

اسماعیلؑ: میں چاہتا ہوں آپ کھانے سے فارغ ہو جائیں میں نخل نہ ہوں۔

ابراہیمؑ: نہیں، کوئی بات کرو۔ کھانا کھاتے وقت گفتگو کرنا امر مستحب ہے۔

اسماعیلؑ: ابھی میں آپ سے اپنی خالہ سارہ کا ذکر، اور آپ کا مجھے یہاں چھوڑنے میں اللہ کی حکمت سن رہا تھا۔

ابراہیمؑ: ہاں، یہیں پر میری بات ختم ہوئی تھی۔

اسماعیلؑ: آپ مجھے مزید کچھ بتائیں گے؟

ابراہیمؑ: پیارے بیٹے! ضرور..... پوچھو جو پوچھنا چاہتے ہو۔

اسماعیلؑ: میری اور میری امان جان کی ہجرت گاہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس بے

آپ و گیاہ وادی کو ہی کیوں پسند کیا؟

ابراہیمؑ: بھئی بیٹا! اس عزت والے گھر کی وجہ سے۔

اسماعیلؑ: یہاں اس چٹیل میدان میں اللہ تعالیٰ نے اپنا عزت والا گھر کیوں بنایا؟

ابراہیمؑ: بھئی اسماعیل! تمہیں یہاں کوئی تنگی ہے؟

اسماعیلؑ: ہر گز نہیں۔ ابا جان..... مجھے تو اس جگہ سے بڑا پیار ہے، روئے زمین

کے بڑے بڑے باغات بھی اس کے برابر نہیں ہو سکتے..... میرے

لیے یہی کافی ہے کہ اس میں میری امی جان رہیں اور اسی میں مدفون

ہوئیں۔ جس دن وہ یہاں آئیں انہوں نے اللہ کی وہ نشانیاں دیکھیں جو

دل کو خوش اور آنکھ کو ٹھنڈا کرتی ہیں۔

ابراہیمؑ: ہاں۔ یہ وہ روشن نشانیاں ہیں جن کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و

نقدس سے نوازا پھر تمام عالم کی عورتوں پر اسے فضیلت عطا کی اس

طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے آثار و نشانات اور اس کی راہگزرا کو
مناسک بنا دیا ہے جسے اس گھر کے حجاج قیامت تک ادا کرتے رہیں گے۔
لیکن اباجان، میں زمین کے باقی خطوں کو چھوڑ کر اس بنجر خطے کو اختیار
کرنے کی حکمت جاننا چاہتا ہوں۔

اسماعیل:

بھئی بیٹے! کیا میں نے تجھے بتایا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس بات کی
بشارت دی ہے کہ وہ یہاں تیری اولاد سے ایک عظیم رسول ﷺ مبعوث
کریگا جو خاتم المرسلین ہوگا، جب اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر میزان حق رکھ
دیا تو کیا رتبہ میں اس سے کوئی چیز سر بلند ہوگی حتیٰ کہ قیامت تک؟

ابراہیم:

نہیں اباجان۔ لیکن اس عظیم رسول ﷺ کیلئے یہ چٹیل میدان کس لیے؟
میرے بیٹے! اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے کوئی وحی نہیں فرمائی۔
اس کی حکمت یقیناً عظیم ہوتی ہے یہ امر اس کے علم میں طے ہوگا کہ اس
نے اس پاکیزہ تخم کی یہاں اس جگہ آبیاری کرنی ہے جو مشرکین کے دیار
اور متکبرین کے میدانوں سے دور ہو۔ یہاں تک کہ اس کی جلوہ گری کا
مقررہ روز سعید طلوع ہو جائے۔

اسماعیل:

ابراہیم:

ابوجان! یہ ہوئی نابات۔ لیکن جب یہ رسول عظیم ﷺ اس بے آب و
گیاہ جگہ پر جلوہ افروز ہونگے تو بہت کم لوگ ان سے ہدایت حاصل کر
پائیں گے۔

اسماعیل:

ٹھہرو بیٹے! تمہارے اس سوال نے مجھے اللہ کی ایک اور حکمت کی یاد دلا
دی ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا علیم اور حکیم ہے۔

ابراہیم:

وہ کیا ہے؟

اسماعیل:

وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو، جس میں وہ عظیم الشان رسول ﷺ

ابراہیم:

جلوہ گر ہو گا اور وہ اس سے ہدایت حاصل کر پائے گی۔ کے لیے مقدر کیا ہے کہ وہ اس لق و دق صحرا سے تیار ہو کر نکلے اور مشرق و مغرب میں روئے زمین کے بلاد و امصار اور اقوام و ملل میں پھیل جائے جہاں جہاں اس رسول ﷺ کا پیغام اور دین پہنچے گا۔ پس عالم کی بادشاہی اور دنیا و آخرت کی، خیر و بھلائی اس بلند اقبال امت کے ہاتھ میں ہو گی اور باقی اقوام کی پیشوا اور امام ہو گی۔

اسماعیل: (خوشی سے چہرہ کھکھلا اٹھتا ہے) ابا جان! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ اب میرا دل مطمئن ہو گیا ہے۔

ابراہیم: (مسکراتے ہیں) آؤ پھر میرے ساتھ کھاؤ۔ میں تنہا کھانا پسند نہیں کرتا۔

اسماعیل: جناب خلیل الرحمن! اب تو میں بڑی خوشی اور شوق سے کھاؤں گا۔ (خوشی خوشی کھاتے ہیں)

امید ہے آپ نے میرے پیہم اصرار اور بکثرت سوال کرنے پر برا نہیں منایا ہو گا۔

ابراہیم: نہیں بیٹے۔ مجھے تو اس سے خوشی ہوئی ہے۔ میں بھی زمانہ شباب میں تمہاری طرح ہوتا تھا..... یہاں تک کہ یہ عادت اس قدر راسخ تھی کہ میں نے اپنے عزت والے رب سے پوچھا کہ وہ مجھے دکھائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ رب نے مجھ سے فرمایا ”کیا تو ایمان نہیں رکھتا“ میں نے عرض کی، کیوں نہیں۔ لیکن یہ اطمینان قلب کے لیے ہے۔

اسماعیل: پھر آپ کے رب نے آپ کو چار پرندوں کی نشانی دکھائی۔

ابراہیم: (کھلکھلاتے ہوئے) بیٹے! تو نے سن رکھا ہے؟

- اسماعیل: امی کی زبان سے۔
- ابراہیم: ہاں وہ بڑے قوی حافظہ کی مالک تھی۔
- اسماعیل: کھائیے ابا جان! اور کھائیے۔
- ابراہیم: الحمد للہ رب العالمین..... تم اپنا کھانا ختم کرو۔
- اسماعیل: الحمد للہ رب العالمین۔
- ابراہیم: (اٹھتے ہوئے) آؤ اب کام کریں۔
- (دونوں چٹان سے نیچے اترتے ہیں اور بیت اللہ کی تعمیر کے کام پھر شروع ہو جاتے ہیں)
- ابراہیم: مجھے اپنے ہاتھ سے یہ پکڑاؤ۔
- اسماعیل: ابا جان! آپ چھوڑیں۔ اسے میں خود اٹھاتا ہوں، یہ پتھر بھاری ہے۔
- ابراہیم: (مسکراتے ہوئے) بیٹا! یہ تم میرے ساتھ عادت کر رہے ہو یا مجھ سے زیادہ ثواب لینا چاہتے ہو؟
- اسماعیل: ابا جان! سارا ثواب تو آپ ہی کے لیے ہے میں تو آپ کا خادم ہوں۔
- خدا نے چاہا تو آپ ہی کا کام صالح ہو گا۔
- ابراہیم: ہاں لیکن اس نے حکم دیا ہے کہ ہم اس گھر کو دونوں مل کر بنائیں، نہ کہ تو تنہا اسے بنائے۔
- اسماعیل: ابو جان! اللہ تعالیٰ نے آپ کو میری معاونت کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ پاک ذات جانتی ہے کہ آپ بوڑھے اور میں جوان ہوں۔
- ابراہیم: (ہنستے ہیں) بیٹے! تو نے سچ کہا ہے..... قسم بخدا تجھ جیسا دلیر اور طاقتور نوجوان میری آنکھ نے ملک شام میں دیکھا ہے نہ کلدان کی زمین میں۔
- اللہ اس زمین میں برکت ڈالے جس نے تجھے پروان چڑھایا، تیرے

گوشت کو سخت اور ہڈیوں کو مضبوط کیا۔ (پھر بڑے رقت آمیز لہجے میں) اللہ تعالیٰ نیل کی اس بیٹی پر بھی اپنی نظر رحمت فرمائے جس نے تجھے دودھ پلایا۔

اسماعیل: (خوشی سے) ابا جان! ادھر دیکھئے! ہم اللہ کے گھر کی تعمیر کے کام سے فارغ ہو گئے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوا۔

ابراہیم: الحمد للہ۔ کوئی کام باقی نہیں رہا۔ سوائے اس پتھر کے یہ نشانی نصب کرنے پر کام مکمل ہو جائے گا۔

اسماعیل: اس حجر اسود کا کیا کریں؟

ابراہیم: اسے ہم اس رکن میں نصب کریں گے۔ تاکہ لوگوں کے لیے علامت بن جائے کہ وہ طواف اس جگہ سے شروع کریں۔

(حجر اسود کے نصب کرنے میں حضرت اسماعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی معاونت کرتے ہیں)

ابراہیم: (پتھر کو چھوتے ہیں اور بوسہ لیتے ہیں) پتھر! تو کتنا مبارک ہے ایک دن رحن کا حبیب ﷺ تجھے چھوئے گا اور تیرا بوسہ لے گا۔

اسماعیل: رحن کا حبیب؟

ابراہیم: اسماعیل! تمہارا برگزیدہ بیٹا۔ یہ اس کا ایک لقب ہے۔ اس کا اس جگہ اپنے ہونٹ رکھ کر بوسہ لو جس جگہ وہ اپنے لب مبارک رکھے گا۔

اسماعیل: (پتھر کو چھوتے ہیں اور اس کا بوسہ لیتے ہیں) میرے برگزیدہ بیٹے!..... رحن کے محبوب! (زمین اور آسمان کے درمیان ایک

خوشگوار سی پھر پھر اہٹ سنائی دیتی ہے)

ابراہیم: سبوح، قدوس!

- اسماعیلؑ: ابو جان! یہ کیا ہے؟
- ابراہیمؑ: بیٹے! یہ روح الامین ہیں۔
- اسماعیلؑ: (زیر لب بولتے ہوئے) جبریل؟
- جبریلؑ: (ان کی آواز سنتے ہیں) ابراہیمؑ! رب العزت نے مجھے آپ تک سلام پہنچانے کا حکم فرمایا ہے۔
- ابراہیمؑ: عاجزی و انکساری سے اے باری تعالیٰ! تو ہی سلامتی والا اور سلامتی عطا کرنے والا ہے۔ اے بزرگی و برتری کے مالک! تو ہی برکتوں اور عظمتوں والا ہے۔
- جبریلؑ: اور حکم فرمایا کہ میں آپ تک یہ پیغام پہنچاؤں کہ وہ آپ سے اور آپ کے بیٹے اسماعیلؑ سے راضی ہے اور آپ دونوں کو اپنی دولت رضا سے نوازا ہے۔ اس بدلہ میں کہ آپ نے اس کے اس گھر کو طواف، اعتکاف رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے بنایا اور اسے پاک کیا۔
- ابراہیمؑ: حمد کے مالک! تمام حمد تو تجھی ہی کو سزاوار ہے۔ اگر تیری مدد اور بے پایاں قدرت ہمارے شامل حال نہ ہوتی تو ہمیں اکیلے اس کی بنیادیں بلند کرنے کی مجال نہ ہوتی۔
- جبریلؑ: آپ کے رب نے آپ کو اذن دیا ہے کہ جو چاہیں اس سے دعا مانگیں وہ ضرور قبول کرے گا۔
- ابراہیمؑ: (عاجزی و انکساری سے ہاتھ اٹھاتے ہیں) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنادے۔ اور اس کے باشندوں کو طرح طرح کے حیلوں سے روزی دے۔ (یعنی) جو ان میں سے اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لائے۔
- جبریلؑ: اور جس نے کفر کیا؟

ابراہیمؑ: اور جس نے کفر بھی کیا؟

جبریلؑ: آپ کا عزت والا رب فرماتا ہے۔ چند روز اسے بھی فائدہ اٹھانے دوں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کروں گا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے..... اپنی دعا مکمل فرمائیے۔

ابراہیمؑ: اے ہمارے رب! ہم کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری اولاد سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کرنا جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتادے اور ہم پر (اپنی رحمت سے) توجہ فرما۔ بے شک تو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اسماعیلؑ: امین۔

ابراہیمؑ: امین یا رب العالمین۔

جبریلؑ: آپ کے رب نے حکم دیا ہے کہ آپ تمام مخلوق میں یہ اعلان کریں کہ وہ اس کے گھر کا حج کریں۔

ابراہیمؑ: جبریلؑ! یہاں کونسی مخلوق ہے؟ یہ چند گنتی کے گھر ہیں۔

جبریلؑ: عام لوگوں میں اعلان کرو..... پوری نوع بشر میں..... تمام مخلوق میں۔

ابراہیمؑ: جبریلؑ! میری آواز کیسے پہنچے گی؟

جبریلؑ: آپ کا کام اعلان کرنا ہے پہنچانا رب کا کام ہے۔ اس دن سے لیکر روز

قیامت تک مرد کے صلب اور عورت کے رحم میں جو کوئی ہے اور ہو گا تمام کے تمام آپ کی آواز کو سنیں گے۔

ابراہیمؑ: سبوح قدوس!

جبریلؑ: آپ کی آواز پر ہر وہ لبیک کہے گا جو ایمان لایا اور جس کے مقدر میں اللہ

تعالیٰ نے اپنے گھر کا حج لکھا۔ خواہ وہ مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں

.....روز قیامت تک یہی ہو گا..... ہر وہ لبیک کہنے سے عاجز ہو گا جس کے نصیب میں حج نہ لکھا گیا ہو گا۔ اگرچہ وہ اس وادی میں تیر کے پہنچنے کی مقدار اس بیت اقدس سے دور مقیم ہو۔

ابراہیم:

سبح قدوس!

اسماعیل:

ابراہیم! اپنی یہ عظیم ذمہ داری پوری کریں اور اعلان کریں۔

جبریل:

بیٹے! میری مدد کرو۔ تاکہ میں اس ذمہ داری سے سبکدوش ہوں۔

ابراہیم:

(اسماعیل اعانت کرتے ہیں)

اعلان کریں اب۔

جبریل:

(بلند آواز کے ساتھ) اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر اس عزت والے

ابراہیم:

گھر کا حج فرض کیا ہے۔

(بے شمار کلمات اور مختلف لہجوں کے ساتھ دور و نزدیک

سے آواز گونجی ہوئی ٹکراتی ہیں)

اباجان یہ گونج کیسی ہے؟

اسماعیل:

جبریل! یہ کیا ہے۔ کیا یہ وہی آواز ہے۔

ابراہیم:

یہ نوع بشر کی ان قوموں کی آوازیں ہیں جن کی قسمت میں اللہ تعالیٰ

جبریل:

نے اپنے عظیم گھر کا حج لکھا ہے۔

اباجان! یہ آوازیں کیا کہہ رہی ہیں؟

اسماعیل:

یہ آوازیں کیا کہہ رہی ہیں؟

ابراہیم:

یہ مشرق و مغرب کی بے شمار زبانوں اور لہجوں کے ساتھ کہہ رہی ہیں۔

جبریل:

لبیک، لبیک

پہلا مشرک

اہل عرب کی زندگی کا تاریک پہلو

”جب انسان کا تعلق اپنے خالق حقیقی سے منقطع ہو جاتا ہے۔ تو اس کی فطرت سلیمہ مسخ ہو جاتی ہے۔ اس کی عقل و فہم پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ اس کی چشم بصیرت بینائی سے محروم ہو جاتی ہے۔ اپنی دانشمندی کے باوجود اس سے اس قسم کی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ احمق اور دیوانے بھی اس سے شرمندگی محسوس کرنے لگتے ہیں۔“ (ضیاء النبی: ۱/۳۱۸)

3۔ پہلا مشرک

(مکہ میں جابر بن سہل خزاعی کا گھر ہے)

(مسعود بن وائلہ جرہمی کا استقبال کرتا ہے) مسعود! خوش آمدید!

جابر:

آپ شہر کب آئے؟

جابر! ابھی آ رہا ہوں۔

مسعود:

گویا کہ میزبانی کا شرف آپ نے سب سے پہلے مجھے ہی بخشا ہے؟

جابر:

ہاں۔

مسعود:

ایک کریم النفس دوست کی نوازش ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ چاہتے تو اپنے

جابر:

دوسرے دوست کے ہاں بھی قیام کر سکتے تھے جو لوگوں سے بلند رتبہ رکھتا

ہے۔ بلکہ اب تو وہ خدا بنا بیٹھا ہے، اس کی پوجا پاٹ کی جارہی ہے۔

عمرو بن لُحی؟

مسعود:

ہاں۔ جو عزت و تکریم آپ کو اس کے ہاں ملنی تھی وہ شاید مجھ جیسے فقیر

جابر:

کے ہاں نہ ملے۔

یہی جاننے کے لیے تو میں اپنے علاقے سے یہاں آیا ہوں۔

مسعود:

لوگوں کی طرح اس کے دین میں داخل ہونے کے لیے؟

جابر:

جابر! اللہ کی پناہ! میں اپنے رب سے شرک کروں اور حضرت ابراہیمؑ و

مسعود:

اسماعیلؑ کا دین چھوڑ دوں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اللہ اس سے بچائے۔

کل تلک شرک آپ کی قوم کے گھروں تک بھی پہنچ جائیگا۔ عمرو اپنے

جابر:

بتوں میں سے ایک بت انہیں بھی تحفہ میں بھیج دے گا۔ جس کی وہ وہاں پر سٹش کریں گے۔

ہاں۔ مگر مجھے اس کا کوئی خدشہ نہیں۔ جرہم دین اسماعیل کی تکفیر کی جرأت نہیں کریں گے۔ مسعود:

مسعود! خزانہ میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی۔ لیکن یہ ایک ایسا فتنہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس فاسق و فاجر کے ہاتھ ہمیں مبتلا کر دیا ہے۔ جابر:

آپ لوگ اس پر کیسے خاموش ہیں؟ جابر! تو آپ کیوں خاموش ہیں؟ مسعود: شروع شروع میں میں نے مزاحمت کی اور لوگوں کو اس سے دور رکھنا چاہا۔ لیکن میں کامیاب نہ ہوا۔ بلکہ وہ تو مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ بس اس دکھ کی وجہ سے میں خاموش ہو گیا۔ اور فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جابر:

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ عمرو نے جو کچھ کیا ہے یہ کیسے کر لیا؟ مسعود! اس کے لیے طویل گفتگو درکار ہے۔ میرے خیال میں آپ کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ مسعود:

کیوں نہیں۔ مجھے اس سے غرض ہے۔ آپ کو اللہ کا واسطہ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔ جابر:

مجھے ڈر ہے کہ آپ بھی دوسروں کی طرح میری بات کو جھٹلا دیں گے۔ جابر! ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ مسعود:

اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ میں نے اپنے لیے یہی پسند کیا کہ میں دوسرے لوگوں کی طرح اس میں داخل نہ ہوں۔ لیکن مجھے بھی اپنے اس عمل کے صحیح ہونے میں کبھی شک ہونے لگتا ہے۔ جابر:

جابر! اللہ تجھے تیرے دین اور تیری پارسائی کو اپنی پناہ میں رکھے۔ مجھے مسعود:

بتاؤ کہ عمرو بن لُحی نے یہ سب کچھ کیسے شروع کیا؟

شاید تجھے یاد ہو کہ عمرو اپنے چچا زاد سے حسد کرتا تھا۔ دل میں اس کے لیے کینہ رکھتا تھا۔ اور اس سے خار کھاتا تھا، کہ ہانی اپنی دولت اور مقام و مرتبہ کی وجہ سے اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ فقیر ہے۔

ہاں، تو پھر

پس عمرو نے قسم اٹھائی کہ وہ حصول دولت کے لیے سفر کرے گا اور وافر مال دولت لیکر واپس لوٹے گا۔ ریشم کا دھاری دار جبہ زیب تن کرے گا جس کے پلوں کو گھسیٹتے ہوئے بطحاء میں ایسے چلے گا کہ مکہ کی پردہ نشین کنواری عورتیں بھی اس کے تذکرے کیا کریں گی۔

پھر وہ شام چلا گیا۔

ہاں۔ کئی سال تک ہمیں اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ میری بہن سعدی اس کے نکاح میں تھی۔ وہ اس کی راہ دیکھتی رہی۔ جب اس کے واپس آنے سے مایوس ہو گئی۔ تو وہ میرے پاس چلی آئی۔ ایک رات کسی دستک دینے والے نے ہمارے دروازے پر دستک دی دیکھا تو وہ عمرو تھا۔ وہ سعدی کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا۔ صبح ہوئی تو میں اسے ملنے گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ پورے شہر کی زبان پر آسمان سے اترنے والے خدا کا تذکرہ ہے وہ اتر اور عمرو بن لُحی کے گھر کے آنگن میں ٹھہر گیا۔

ہیل؟

ہاں، میں عمرو سے ملا اور اس نئے مسئلے جو اس کا اپنا گھڑا ہوا تھا کے بارے میں اس سے پوچھا۔

اس نے مجھ سے کہا اگر اس میں مجھے کوئی شک ہے تو اپنی بہن سے پوچھ لو

اس نے بھی آسمان سے خدا کو اترتے ہوئے دیکھا ہے۔

تو پھر آپ کی بہن نے کیا کہا؟

مسعود:

جابر:

اس نے شروع ہی میں اس کی تصدیق کر دی۔ یہاں تک کہ میں اس سے ناراض ہو گیا اور اس سے قطع تعلق کر لیا۔ عمرو کے پیروکار بڑھنے شروع ہو گئے۔ وہ ان کے لیے ہر روز نئی بدعت گھڑتا جسے وہ شریعت بنا لیتے۔ اور آپس میں یہ باتیں ایک دوسرے تک پہنچانے لگے کہ ہبل ان کے مریضوں کو شفا دیتا ہے، ان کی حاجتوں کو پورا کرتا ہے، ان کی بانجھ عورتوں کو بچے سے نوازتا ہے پس وہ ہبل پر چڑھاوے چڑھانے اور اس کے لیے نذرانے دینے لگے۔ عمرو مالدار ہوتا گیا، اس کے پاس کثیر مال جمع ہو گیا۔ وہ بغیر کسی حساب کے خرچ کرتا لوگوں کو کھلاتا اور پلاتا، تنگوں کو پہناتا، مہمانوں اور حجاج کی میزبانی کرتا اس کی شہرت بڑھتی گئی الغرض اس نے جو حاصل کرنا تھا حاصل کر لیا۔

یہ بت ہے عمرو شام سے لیکر آیا تھا؟

مسعود:

جابر:

ہاں۔ اپنی سواری پر لاد کر لایا تھا۔ لیکن لوگوں نے گمان کیا کہ اس کا یہ خدا بادل کے اوپر چل کر آیا ہے۔ وہ اور عمرو ایک ساتھ چلتے رہے حتیٰ کہ دونوں مکہ پہنچ گئے۔ پھر یہ اس رات کہ جس میں عمرو آیا وہیں اتر اچھاں وہ اتر۔

آپ کو اس کا کیسے علم ہوا؟

مسعود:

جابر:

مجھے میری بہن سعدی نے آخر میں یہ سب کچھ بتا دیا تھا، جب اس کا عمرو سے اختلاف ہو گیا، اور وہ عمرو سے ناراض ہو کر میرے پاس چلی آئی۔ پھر یہاں میرے پاس ہی اس کی اجل نے آلیا۔ الحمد للہ! مرنے

سے پہلے اس نے اسے چھوڑ دیا تھا اور دین حنیف کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

الحمد للہ! لیکن اس کے اور عمرو کے درمیان اختلاف کیسے پڑا۔
اس نے دیکھا کہ وہ عورتوں سے میل جول کرتا ہے اور ان کے ساتھ
اس گھر میں بدکاری کرتا ہے جو اس نے اپنی مجلس کے لیے بنایا تھا اور اس
کا ان کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ اس کے لیے حلال ہیں..... اور یہ
اس سے محبت کرتی تھیں، اس سے صبر نہ ہو سکا اور بے چاری یہی روگ
لیے مر گئی۔

کیا اسے شروع میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ جھوٹا ہے۔
کیوں نہیں۔ اس نے اسے پابند کر رکھا تھا کہ وہ لوگوں کے سامنے اس
کے ہر عمل کی تصدیق کرے چاہے اس کے خیال میں وہ بیہودہ اور عجیب
کیوں نہ ہو۔ چونکہ اسے اس سے محبت تھی اس لیے سوائے موافقت
کے اس کے پاس کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ یہاں تک اس کے پاس
عورتوں کی ریل پیل ہونے لگی۔ سو اس نے لوگوں کو اس کے جھوٹ
کے بارے میں علانیہ بتانا شروع کر دیا۔ لیکن اب چونکہ بات اس قدر
بڑھ چکی تھی اس لیے اس کی کسی نے تصدیق نہ کی۔

آپ کی بہن نے بتایا کہ اسے اس بات کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟
اس نے بتایا تھا کہ شام میں عمرو تجارت میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شاید وہ
مایوس ہو کر خودکشی کر لیتا کہ ایک دن اس کا عمالیق کے ایک قبیلہ کے
پاس سے گزر ہوا جو بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ ان کے کاہن کے پاس
ٹھہرا اس نے اس کی میزبانی کی، عزت و تکریم سے نوازا اور چند دن اپنے

ٹھہرایا۔ یہ کاہن بڑا خوشحال تھا۔ مال اس کے پاس چل کر آتا تھا۔ وہ بیٹھا رہتا تھا اور عملاً کچھ نہیں کرتا تھا۔ عمرو نے دل میں سوچا کہ وہ بھی اسی طرح کرے گا سو اس نے اس سے ایک بت مانگا تاکہ وہ اسے سرزمین عرب میں لائے۔ پس کاہن نے اسے یہ بت اور بت اٹھانے کے لیے سواری دی۔ اور بہت سامال بھی دیا۔

اس کا برا ہو۔ اس نے مال کی خاطر دین اسماعیل کو بدل ڈالا۔

مسعود:

ہاں۔ تاکہ اپنی اٹھائی ہوئی قسم پوری کرے۔ اور اس نے کر دکھایا۔

جابر:

جابر! میں اسے تنہا ملنا چاہتا ہوں تاکہ میں اسے کوئی وعظہ نصیحت کروں شاید وہ میری بات سن لے اور اس گمراہی سے باز آ جائے جس میں لوگوں کو مبتلا کر رکھا ہے۔

مسعود:

مسعود! بہت مشکل۔ اگر وہ چھوڑ بھی دے تو لوگ ہرگز اس مشرک کو نہیں چھوڑیں گے جس نے ان کے لیے شراب، جوا، اور دیگر خرافات کو جائز کر دیا ہے۔ ہبل اور اس کے شرکاء ان کے دلوں میں زیادہ گھر کر چکے ہوں اس واحد ذات کی نسبت جو ان کی آنکھوں کے ادراک سے باہر ہے۔

جابر:

جابر! نصیحت کبھی کبھی کام دکھا جاتی ہے۔ میرا اس پر بہت سافضل و احسان ہے۔ ویسے بھی اسے مجھ سے محبت ہے اور میری عزت کرتا ہے۔ آپ اس کے پاس اپنا ایک غلام بھیج دیں گے تاکہ وہ جا کر اسے بتائے کہ میں تمہارے پاس ہوں اور تم سے ایک مجلس کرنا چاہتا ہوں؟ بڑی خوشی کے ساتھ۔ اگرچہ وہ مجھ سے بغض رکھتا ہے۔

مسعود:

جابر:

عمرو بن لُحی کا گھر ہے

عمر: (اپنے صاحب اور حواری عامر سے) عامر! کیا تجھے یاد ہے کہ پچھلے سال حاجیوں کے لیے ہم نے کتنے اونٹ ذبح کیے تھے۔

عامر: پانچ ہزار اونٹ

عمر: اور کتنوں کو پہناوے پہنائے تھے۔

عامر: چھ ہزار پوشاکیں۔

عمر: اس سال ہم دس ہزار اونٹ ذبح کریں گے اور دس ہزار ہی پوشاکیں پہنائیں گے۔

عامر: عمرو! پھر تو خزانہ خالی ہو جائیگا۔

عمر: ڈرو مت۔ ہبل ہمارے ساتھ ہے۔ ہم جتنا زیادہ خرچ کریں گے ہبل ہمیں اتنا ہی غنی کرے گا۔ تمام قبائل عرب سے عنقریب ہمیں نذریں پہنچیں گی۔ عامر! جاؤ اور حساب لگاؤ کہ ہمارے پاس کتنے اونٹ ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ کتنے کم ہیں۔

عامر: ضرور جناب عمرو! (نکلنے کا ارادہ کرتا ہے)

عمر: دروازے پر جو ملاقاتی رہ گئے ہیں۔ انہیں اندر بھیج دو۔

ٹھیک ہے جناب۔ (باہر نکلتا ہے)

(ایک بوڑھا، ایک ادھیڑ عمر کا آدمی اور ایک خوبصورت نوجوان عورت داخل ہوتے اور تمام عمرو کے سامنے جھکتے ہیں اور اس کی چادر کے پلوؤں کو چومتے ہیں)۔

عمر: اے ہبل کے پرستارو! خوش آمدید۔ تمہیں کیا کام ہے؟ اے شیخ عرب پہلے تم بیان کرو۔

بوڑھا: مخلص دوست! میرے پاس پانچ سال سے زائد عمر کا ایک سانڈ ہے۔

میں اس کے بارے میں آپ سے فتویٰ لینے حاضر ہوا ہوں۔

عمر: کیا تیرے اس سائڈ نے اپنے پھل کا پھل دیکھا ہے؟

بوڑھا: ہاں۔

عمر: پھر وہ جام ہے۔ اس کی پیٹھ پر سوار ہوا جاسکتا ہے نہ اسے گھاس اور چراگاہ سے روکا جاسکتا ہے۔

بوڑھا: عمر! پھر وہ کس کا ہے؟

عمر: وہ اللہ کا ہے۔

بوڑھا: ہر گز نہیں۔ میں اسے اللہ کو نہیں دوں گا بلکہ ہبل کو دوں گا۔

عمر: نا سمجھ بوڑھے! اللہ کو دینا ہبل ہی کو دینا ہے۔ اور ہبل کو دینا اللہ ہی کو دینا ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ جاؤ۔ تیرے مال میں برکت ہو۔ اور تجھے ہبل نوازے۔

بوڑھا: (خوش ہو کر نعرہ لگاتا ہے) ہبل سر بلند ہو، ہبل سر بلند ہو (باہر نکلتا ہے)

عورت: اور میں اے نیک مرد!

عمر: (اپنی آنکھیں نیچے کر لیتا ہے) تم انتظار کرو۔ یہ مرد پہلے ہے۔ تمہاری کیا مشکل ہے؟

آدمی: اے نیک انسان! تجھے جزائے خیر عطا ہو۔ میری بیوی قریب المرگ ہے۔ میرے لیے دعا کریں کہ ہبل اسے میرے لیے شفا دے دے۔

عمر: معلوم ہوتا ہے تم خوشحال ہو۔ اگر تیری بیوی کو ہبل شفا دے تو کتنی نذر دو گے۔

آدمی: بیس اونٹنیاں۔

- عمر: اس سے زیادہ نہیں دے سکتے۔
- آدمی: ابن لحي! نہیں۔ اپنے کل اثاثے کا نصف تو دے رہا ہوں۔
- عمر: یہی کافی ہے۔ جب کل آئے تو اپنی نذر ہبل کے باڑے میں ڈالا دینا۔
- ہبل تمہاری بیوی کو شفاء دے دیگا۔
- آدمی: ابن لحي! سچ۔
- عمر: ہاں۔
- آدمی: (خوشی سے نعرہ لگاتا ہے) ہبل سر بلند ہو، ہبل سر بلند ہو۔ (باہر نکلتا ہے)
- عمر: (عورت کی طرف محبت بھری نگاہ سے دیکھتا ہے) اے نازک اندام حسینہ! تجھے تیری کونسی ضرورت میرے پاس لے کر آئی ہے۔
- عورت: عمرو! میں بانجھ ہوں۔ میں ہبل کو کیا نذر دوں کہ وہ مجھے بیٹا عطا کر دے۔
- عمر: اسے اپنی سب سے پیاری چیز نذر کرو۔
- عورت: عمرو! کیا یہ سونے کا کنگن؟
- عمر: اس سے بہتر کوئی چیز نہیں؟
- عورت: آپ کی زندگی کی قسم۔ میرے پاس اس سے بہتر کوئی چیز نہیں۔
- عمر: بلکہ تم اس چیز کی مالک ہو جو دل و دماغ خوشی اور سرور عطا کرتی ہے۔
- (اسے اپنے ساتھ چمٹاتا ہے اور اس کا بوسہ لیتا ہے)
- عورت: (اسے اپنے سے دور ہٹاتی ہے) ابن لحي! تمہارا برا ہو۔ میں تمہارے پاس ہبل کی مرضی حاصل کرنے آئی ہوں نہ کہ تمہاری۔
- عمر: کیا تم میری مرضی کے بغیر اس کی مرضی حاصل کر لو گی۔
- عورت: عمرو! میری مشکل حل کرو۔ مجھے اولاد عطا کرو۔

عمرو: ہاں۔ ہاں۔

عورت: پھر میں کیا کروں۔

عمرو: جب رات آئے تو اندھیرے میں مہمان خانے کے دروازے پر دستک دینا۔ پس جو تم چاہتی ہو وہ تمہیں مل جائیگا۔

عورت: ہبل کے سوا میں کسی کی تعریف نہیں کروں گی۔ ہبل سر بلند ہو، ہبل سر بلند ہو۔

جابر: مسعود! دیکھو وہ آرہا ہے۔

مسعود: اس کے ساتھ یہ لوگ کیا کر رہے ہیں؟

جابر: یہ اس کے پاؤں سے لگنے والی خاک اور جبہ سے چھونے والی جگہ کو چوم رہے ہیں۔ اس کی طرف دیکھو کیسے دھاری دار جبے میں مٹک مٹک کر چل رہا ہے کہ عورتوں کے دل خود بخود اس سے کھنچے چلے آتے ہیں۔

مسعود: آہ۔ دین اسماعیل اور اولاد اسماعیل کو برباد کرنے والے!

جابر: کیا آپ اسے تنہا ہی ملیں گے؟

مسعود: اور آپ؟

جابر: میں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ میں تو اس کا چہرہ بھی دیکھنا چاہتا اور نہ اس کی کوئی بات سننا چاہتا ہوں۔

مسعود: جیسے آپ کی مرضی۔

(جابر گھر کے اندر گھسٹتا ہے)

(عمرو بن لُحی داخل ہوتا ہے)

عمرو: قدیم دوست اور پیارے بھائی کو خوش آمدید! مسعود آنا مبارک! کیا

گلے نہیں ملو گے؟

جس نے دین ابراہیم کو بدل ڈالا ہے اسے گلے ملنا زیب نہیں دیتا۔
ابن وانکہ! افسوس۔ کیا تو نے مجھے یہ بات سنانے کے لیے بلایا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ میں نے تیری دعوت کو تیری عزت و تکریم اور پرانی جان پہچان کا حق سمجھ کر قبول کیا ہے؟ حالانکہ تو میرے دشمن کے گھر میں تھا۔ پھر بھی تم میرے ساتھ جفا سے پیش آرہے ہو۔

عمر! ہمارے درمیان جو دوستی چلی آرہی ہے میں اس کے بھروسے پر تمہیں نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم جو بڑا غالب ہے۔ میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس گمراہی میں پڑ کر بڑے بھٹک چکے ہو۔ حالانکہ تم ہدایت پر تھے۔ تم مجھے نصیحت کرنے سے ٹوکتے ہو؟

ہرگز نہیں بھائی! آپ تو بڑے مخلص ہیں۔ اگر میں اس معاملہ میں کسی کی نصیحت قبول کرتا تو یقیناً تمہاری بھی قبول کرتا۔ لیکن اب جو تم چاہتے ہو وہ نہیں ہو سکتا۔

عمر! کیا اللہ اور روز آخرت پر تمہارا ایمان نہیں۔
کیوں نہیں۔

پھر یہ بت کیا چیز ہے جس کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو۔
مسعود! میں اس کی ہرگز عبادت نہیں کرتا۔

صرف لوگوں کو اس کی عبادت کی دعوت دیتے ہو اور انہیں دین کی آزمائش میں ڈالتے ہو۔

اگر انہوں نے صدق دل سے دین اسماعیل پر ایمان لایا ہوتا تو ان میں کوئی بھی اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ لیکن اب ان کے دلوں میں اس دین

کی روح اور کشش ختم ہو چکی ہے اور صرف رہ سہا باقی رہ گیا ہے۔ اگر میں ان کے پاس اس نئی شرع کو نہ لاتا تو میرے علاوہ کوئی دوسرا لے آتا اور وہ اس پر ایمان لے آتے جیسا کہ مجھ پر ایمان لے آئے۔ البتہ میں لوگوں کی نسبت اس میں داخل ہونے سے آزاد ہوں اور نہ میرا تابع ہونا ضروری ہے۔

مسعود: تم اپنی بزرگی کو واپس لوٹنا چاہتے ہو؟

عمرو: مسعود! کونسی بزرگی۔ آج سر زمین عرب پر کوئی ایسا آدمی نہیں جو مجھ سے زیادہ مالدار ہو، مرتبہ میں مجھ سے فائق ہو اور عظمت و رفعت میں مجھ سے زیادہ ہو۔

مسعود: اور آخرت میں عمرو!

عمرو: میں اس دن ان لوگوں کی نسبت زیادہ برے ٹھکانے میں نہیں ہونگا جو میرے دین میں داخل ہوئے اور ہبل اور اس کے شرکاء کی عبادت کی۔ حالانکہ میں ان کی پوجا نہیں کرتا۔

مسعود: تم ہی تو ہو جس نے لوگوں کو اس برائی میں مبتلا کیا ہے اور گمان کرتے ہو کہ تم بچ جاؤ گے۔ پھر عمرو! اپنی قوم کو گمراہ کرنے کے بعد۔ کیا ان پر تیرا دل نرم نہیں ہوتا۔ ہمسائیگی کے حقوق بھی ہیں اور قرابتداری کا ناٹھ بھی۔

عمرو: مسعود! کیوں نہیں۔ تیرے حق کی قسم! میں ان کے لیے بھلائی کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ اب ان پر اس اللہ کی عبادت کرنا بہت گراں ہے جسے وہ اپنی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے۔ سو میں نے ان کے لیے یہ نظر آنے والا رب تجویز کیا اس سے انکے دل مطمئن ہیں اور دل میں شک نہ پڑنے

سے آرام اور سکون میں ہیں۔

وہ اخلاص سے اس کی عبادت کرتے ہیں۔ اپنی حاجات کو پورا کیے ہوئے پاتے ہیں۔ ان کے مصائب دور ہوتے ہیں، مال و اسباب میں برکت آتی ہے۔

عمر و! یہ تو نر اشیطان ہے جس نے تمہیں اپنی سواری بنالیا ہے۔

مسعود:

کیا یہ اس سے بہتر ہوتا کہ شیطان میرے علاوہ کسی اور کو سواری بنالیتا اور شیطان کی سواری کی سواری ہوتا؟

عمر و:

اللہ مجھے پناہ میں رکھے۔ فاسق لعین! میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ اے مردود شیطان۔

مسعود:

جر ہم بھائی! مجھے ملامت کرتے ہو۔ افسوس۔

عمر و:

ہاں۔ تجھ پر اللہ کی لعنت بھی ہو اور ملامت کرنے والوں کی لعنت بھی ہو۔ اللہ کی قسم! میں لوگوں کے سامنے تیرے جھوٹ اور فریب کا راز فاش کرونگا۔ یہاں تک کہ وہ تجھے جھٹلا کر سنگسار کر دیں۔

مسعود:

بھئی یہ نصیحت میں تمہیں کرتا ہوں کہ ایسا نہ کرنا۔ معبود برحق کی قسم! وہ تجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور تجھے تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کاٹ کر رکھ دیں گے۔

عمر و:

قسم بخدا مجھے اس کی کوئی پروا نہیں۔ میں انہیں ضرور ڈراؤنگا تاکہ وہ دین اسماعیل کی طرف لوٹ آئیں۔

مسعود:

جر ہم بھائی! دین اسماعیل تو ختم ہو چکا۔ اب اس کی جگہ عمرو بن لُحی کا دین لے چکا ہے۔

عمر و:

ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم۔ دین اسماعیل کبھی ختم نہیں ہوگا۔ ابھی وہ میری

مسعود:

قوم میں باقی ہے..... جرہم میں۔

عمر:

کل میں اپنا قاصد تیری قوم کی طرف بھیجوں گا وہ بھی اس میں داخل ہو جائیں گے جس طرح دوسرے لوگ داخل ہوئے۔ پھر دیکھنا وہ کس طرح اس زلیشی دھاری دھار جے کے کناروں کو چومتے ہوئے آتے ہیں (باہر نکلتے ہوئے جے کو لہراتا ہے) میرے پیچھے سے اس کی طرف دیکھو اے جرہمی! کیا تیری آنکھ نے اس سے پہلے اس سے زیادہ عمدہ قیمتی اور خوبصورت جبہ دیکھا ہے؟

کل تو دوزخ کی آگ میں اپنے دامن کو گھسیٹے گا۔
(ہنستے ہوئے) پھر دوزخ والے مجھ سے حسد کریں گے۔
اس دن ریشم کی پوشاک نہیں ہوگی۔

عمر: پھر کیا ہوگا؟

مسعود: مردود! تمہاری ہڈیاں اور آنتیں آگ میں جلیں گی حتیٰ کہ دوزخ والے اس کی بدبو سے اذیت اٹھائیں گے۔

عمر: پھر تو میں ان کے لیے عذاب کا ڈنڈا ہوں گا۔ قدیم دوست! کل جب وہاں ملاقات ہوگی تو گلے ملیں گے۔ (باہر نکلتا ہے)

مسعود: (سخت طیش میں آتے ہیں) آہ!

عمر: (داخل ہوتے ہوئے) مسعود! بات چیت کیسی رہی؟

مسعود: ظالم کے شر سے بنی اسرائیل برباد ہو گئے۔ اللہ کی قسم میں اس شہر میں ایک گھڑی بھی نہیں ٹھہروں گا۔

عمر: آج تو میرے پاس ٹھہرو گے؟

مسعود: ہرگز نہیں۔ مجھے خوف ہے کہ اس ناپاک جگہ میں مجھ پر رحمن کا عذاب

نہ آجائے۔

بھائی! کیا ہوا۔ کیا تم کعبہ کے رب پر ایمان نہیں رکھتے؟

جابر:

جابر! کیوں نہیں؟

مسعود:

اللہ تعالیٰ ایک روز ضرور اس ہستی کو مبعوث فرمائے گا جو اس کے اس

جابر:

حرم کو اس گندگی سے پاک کرے گی اور دین ابراہیم اور ملت اسماعیل کو

پھر سے زندہ کرے گی۔

غارِ والے

ایک روشن حقیقت کا بیان کہ
”رحم و کرم کا معاملہ کسی ایک ذات تک ہی محدود نہیں۔ پکارنے
والا جب بھی پکارے، غم و آلام میں ڈوب کر یا ظلموں میں گھر کر
اس کی فریاد سنی جاتی ہے۔ ظلمتیں، فریاد و فغاں کا راستہ نہیں
روک سکتیں۔ بشرطیکہ وہ سوز سے معمور ہوں۔ اجابت ان سے
ہمکنار ہوگی۔ ان کے لیے رحمت کی آغوش کھلے گی۔“

(نشان راہ: ۲/۸۰)

4۔ غار والے

(۱)

دو پہاڑوں کے درمیان تنگ وادی ہے۔ آسمان پر سیاہ گہرے بادل چھائے ہوئے ہیں بجلی زور سے کڑک رہی ہے اور موسلا دھار بارش ہو رہی ہے۔ تین آدمی ہیں جو وادی سے گزر رہے ہیں اور پہاڑ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ ان میں دو آگے ہیں اور تیز تیز چل رہے ہیں۔ تیسرا پیچھے ہے جو آہستہ چل رہا ہے۔ گو ایسے جیسے وہ اس خوفناک حالت سے بچنے کے لیے کوئی ترکیب سوچ رہا ہے۔

یوسف: ہارون! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تیز چلو۔

ہارون: (تھوڑا سا رکتے ہوئے) بھی متی پیچھے ہے۔

یوسف: ہم کیا کریں وہ جان بوجھ کر سستی سے چل رہا ہے۔

ہارون: دوست کو پیچھے چھوڑنا غیر مناسب بات ہے یوسف! (اوپر کی آواز سے

پکارتا ہے متی! متی!)

متی: (دور سے اس کی آواز آتی ہے) ہارون!

ہارون: بھی! تم وہاں کیا کر رہے ہو۔ تیز چلو اور ہمارے ساتھ ملو۔

متی: تھوڑا انتظار کریں۔

یوسف: ہم انتظار کریں؟ یعنی ہم انتظار کریں اور سیلاب ہم تک پہنچ جائے اور

پھر وادی میں ہلاک ہو جائیں۔

- ہارون: انتظار کرو بھی! وہ دیکھو بھاگتا ہوا ہماری طرف آرہا ہے۔
- متی: (متی آتا ہے بھاگنے کی وجہ سے ہانپ رہا ہے) دوستو! میری رائے یہ ہے کہ ہم یہیں کہیں رک جائیں، آگے نہ جائیں۔
- یوسف: تاکہ جب سیلاب آئے تو ہمیں دبوچ لے۔ بھی تم ہمیں ہلاک کرنا چاہتے ہو۔
- متی: بلکہ اپنی حقیر رائے سے تم مارنا چاہتے ہو۔ سیلاب آگیا تو ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کا سامنا کر سکیں البتہ یہ قدرت میں ہے کہ اس سے بچ جائیں۔
- یوسف: اس بے کیسے بچیں گے؟
- متی: وہ اس طرح کہ دامن کوہ میں اس غار میں پناہ لے لیں۔
- (دور سے سیلاب کی آواز سنائی دیتی ہے)
- ہارون: سنو بھی! یہ سیلاب آیا ہی آیا۔ یہ اس کی آواز ہے۔
- متی: آؤ، جلدی چلیں۔
- یوسف: مگر..... مگر غار کے دھانے پر یہ گرتی ہوئی چٹان۔
- متی: اس سے کیا ہوگا؟
- یوسف: تمہیں اس بات کا کوئی خدشہ نہیں کہ اگر یہ گر گئی تو غار کا منہ بند ہو جائیگا؟
- متی: مدتوں سے یہ چٹان ایسے ہی قائم ہے۔ اس نے آج ہی گرنا ہے؟
- یوسف: کون جانتا ہے؟
- متی: (طیش میں آکر) پھر ہم سب مر جائیں گے اور تمہاری صحبت سے آرام پالیں گے۔

یوسف: باز آویار! یہ جھگڑے کا وقت نہیں۔ ہم غار میں ہی چل کر پناہ لیتے ہیں۔
جو اللہ چاہے گا وہی ہو گا۔

تینوں دامن کوہ میں تیزی سے چڑھتے ہیں۔

(۲)

تینوں غار میں داخل ہوتے ہیں۔ غار کے دھانے سے تھوڑی سی
روشنی ان تک پہنچ رہی ہے۔ سیلاب کی آواز تیز ہو جاتی ہے۔
اے صائب اسرائے کیا خیال ہے؟ اگر ہم اس غار میں داخل نہ ہوتے تو
یہ ہولناک سیلاب ہمیں تنکے کی طرح بہا کر لے جا چکا ہوتا۔
اور جب یہ چٹان ہمیں اندر بند کر دے گی تو پھر؟

متی: (طنز یہ قہقہہ لگاتے ہوئے) تب میں تیری رائے کے درست
ہونے کا اعتراف کر لوں گا۔

ہارون: یار چھوڑو۔ جھگڑے میں کوئی فائدہ نہیں۔ آؤ ہم اللہ تعالیٰ کو یاد کریں اور
اس سے دعا کریں کہ ہمارا انجام بخیر کرے۔
غار کے دھانے کی طرف سے کھٹکھاہٹ سنائی دیتی ہے۔

ہارون: ہوں! یہ کیا؟

یوسف: یہ چٹان سرک رہی ہے۔ اور کیا؟

متی: اللہ تعالیٰ کی مرضی۔

یوسف: یہ لو دھانہ بند ہو گیا۔

غار کا منہ بند ہو جاتا ہے جس سے روشنی پہنچ رہی تھی۔ سواب
پوری طرح تاریکی چھا جاتی ہے۔

ہارون: لا حول ولا قوۃ الا باللہ

یوسف: میں نہ کہتا تھا کہ یہ ویسے ہی کھڑی ہے گر جائے گی؟ آؤ بھی متی دانشور!
اب یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرو۔

متی: اگر ہم وادی میں ہوتے تو یقیناً ہلاک ہو جاتے۔

یوسف: اور ہمارا اب بھی ہلاک ہونا غیر یقینی نہیں۔

متی: یہ سب تمہاری نحوست سے ہوا ہے۔

یوسف: میری نحوست نے چٹان کو سر کا یا ہے؟

متی: جی ہاں۔

ہارون: بھائیو! کافی ہو گیا ہے لڑائی جھگڑا۔ یہاں تک میرا خیال ہے کہ ہمیں اللہ کی طرف سے یہ سزا بھی تم دونوں کی اس لڑائی کی وجہ سے ملی ہے۔

یوسف: ہارون! مجھے ملامت کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں۔ ملامت کرنی ہے تو اسے کرو۔

ہارون: یوسف! خدا کے لیے اب یہ بات چھوڑو بھی۔ متی کہاں ہے؟ متی تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ یہ چٹان ہٹا رہا ہو گا۔

متی: یوسف! مجھ پر طنز نہ کرو۔

ہارون: یوسف! تم باز نہیں رہ سکتے ہو؟

یوسف: میرے بھائی! میں طنز نہیں کر رہا ہوں۔ یہ پہاڑ کا ٹکڑا ہے سو آدمی بھی مل کر زور لگائیں تو اسے نہیں ہٹا سکیں گے۔

ہارون: متی آؤ اور میرے قریب بیٹھو۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنی خاص مہربانی سے ہمارے لیے یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل پیدا نہیں کرتا ہم یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ یوسف! تم بھی قریب آ جاؤ..... اور اپنا ہاتھ آگے کرو۔

یوسف: یہ رہا ہاتھ۔

ہارون: (یوسف کا ہاتھ متی کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے) تم پہلے ایک

دوسرے کے بارے میں دل سے صاف ہو جاؤ پھر ایک دوسرے کو

معاف کرو۔ کیونکہ جب تک ہمارے درمیان یہ پھوٹ ہے اللہ تعالیٰ

ہماری طرف ہرگز نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔

یوسف: متی! مجھے معاف کر دو۔

متی: میں نے معاف کیا۔ اور یوسف! تم بھی مجھے معاف کر دو۔

یوسف: بھی میں نے بھی تجھے معاف کیا۔

ہارون: الحمد للہ! اب دونوں میری بات غور سے سنو! میں نے اللہ کے مقبول

بندوں سے سنا ہے۔ کہ مصیبت کی گھڑی میں رب سے دعا مانگنے کا سب

سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اس کی بارگاہ میں اپنے نیک اعمال کا وسیلہ

پیش کرے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی زندگی کے سب سے نیک عمل کو

یاد کرے اور اس کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے۔

متی: ہارون! تم آغاز کرو۔

یوسف: جی..... آپ ہم تینوں میں زیادہ نیک ہیں۔

ہارون: یہ تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ہم میں سے کون زیادہ صالح ہے۔ میں تو

بڑا گنہگار اور خطاکار ہوں۔ اے باری تعالیٰ! میں نہیں جانتا کہ میں نے

کوئی نیک عمل کیا ہو۔ البتہ بوڑھے والدین کی خدمت کی ایک نیکی

میرے پاس ہے۔

متی: اسے ہی یاد کرو۔ بلاشبہ والدین کے ساتھ نیکی کرنا افضل ترین عمل

ہے۔

ہارون: جب میں چراگاہ سے واپس گھر لوٹا تو میری یہ عادت تھی کہ دودھ دھو کر سب سے پہلے بوڑھے والدین کو پلاتا۔ پھر بیوی بچوں اور گھر کے دوسرے افراد کو دیتا۔ ایک دن مجھے چراگاہ سے دیر ہو گئی اور میں رات گئے گھر واپس آیا۔ بیوی بڑی پریشانی سے میری راہ تک رہی تھی۔
(ہارون کے گھر کا منظر ہے۔ ہارون کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں دودھ کا پیالہ ہے۔ اور اس کے سامنے اس کی پیاری بیوی ہے)

بیوی: ہارون! آج تم نے دیر کیوں کر دی؟

ہارون: پیاری! چراگاہ بہت دور تھی سو میں دور تک چلا گیا۔ میرے ابو، امی کہاں ہیں؟

بیوی: انہوں نے تمہارا بہت انتظار کیا۔ یہاں تک کہ ان پر نیند غالب آگئی اور وہ سو گئے۔

ہارون: اچھا! وہ رات کا دودھ پینے سے پہلے ہی سو گئے۔

بیوی: جی ہاں۔ اور یہ جو دودھ تم نے دھویا ہے مجھے دے دو تاکہ میں بچوں کو پلاؤں۔ وہ بھوک سے بلبلارہے ہیں۔

ہارون: ہر گز نہیں پیاری! میں ان سے پہلے کسی کو نہیں پلاؤں گا۔

بیوی: یہ اپنے بچوں کو پلا دو۔ جب وہ بیدار ہوں گے تو اس وقت پھر دودھ دھولینا۔

ہارون: میں کسی طور پر اپنا معمول نہیں بدل سکتا۔

بیوی: پھر انہیں جگا کر پلا لو تاکہ میں اور بعد میں اپنے بچوں کو پلا لوں۔

- ہارون: میں اس وقت ان کی نیند خراب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔
- بیوی: آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو۔
- ہارون: میں یہاں کھڑا رہوں گا۔ حتیٰ کہ وہ نیند سے بیدار ہو جائیں اور میں ان کی خدمت میں دودھ پیش کروں۔
- بیوی: یہ تم کیا کر رہے ہو؟ پیالے کو اپنے پیٹ کے ساتھ اس طرح کیوں چمٹا لیا ہے؟
- ہارون: پیاری! تاکہ دودھ گرم رہے تم بچوں کے پاس جاؤ۔
- بیوی: میں ان کے پاس کیا کروں گی؟
- ہارون: انہیں بہلاؤ تاکہ وہ سو جائیں۔
- (غار کی طرف آتے ہیں)
- متی: تمہارے ماں باپ کب بیدار ہوئے۔
- ہارون: طلوع فجر کے وقت۔
- یوسف: اور تم دودھ کا پیالہ لیے تمام رات کھڑے رہے۔
- ہارون: جی ہاں۔ اور میں نے پیالے کو کپڑے کے نیچے پیٹ کے ساتھ لگائے رکھا۔
- متی: بہت خوب! ہارون! والدین کے ساتھ اس طرح نیکی کوئی کم ہی کرتا ہے۔
- ہارون: (عجز و انکساری سے دعا کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھاتا ہے اور کہتا ہے) اے باری تعالیٰ! اگر تو میرا یہ عمل تیری رضا کے لیے تھا۔ تو ہم سے اس بلا کو مٹال دے جس میں ہم گرفتار ہیں۔
- متی: ہارون! دیکھو چٹان ہٹ گئی ہے۔

یوسف: جی ہاں۔ وادی نظر آنے لگی ہے۔

ہارون: اللہ! تیرا شکر ہے۔

متی: لیکن ابھی ہم اس سے نکل نہیں سکتے۔

ہارون: اب تم دونوں کی باری ہے۔ اپنا کوئی نیک عمل یاد کرو۔

متی: یوسف! تم شروع کرو۔

یوسف: بلکہ تم شروع کرو۔ تم مجھ سے بہتر ہو۔

ہارون: کوئی بات نہیں۔ یوسف تم شروع کر لو۔

یوسف: میں کیا کہوں؟

ہارون: جو تم جانتے ہو اسے یاد کرو۔ دیکھو! کسی چیز کو حقیر مت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حقیر پیدا نہیں کی۔

یوسف: میرے دل میں کچھ ہے تو سہی لیکن بیان کرنے سے شرم آتی ہے۔

ہارون: اوہ بھی! نیکی بیان کرنے میں شرم کیسی؟

یوسف: یہ میری ایک رشتہ دار کی عزت کا مسئلہ ہے۔

ہارون: ہم عہد کرتے ہیں کہ کسی پر یہ بات ظاہر نہیں کریں گے۔

یوسف: میری ایک چچا زاد تھی۔ اس سے مجھے شدید محبت تھی۔ میں غریب تھا۔

اس کے گھر والوں نے اس کی شادی کسی دوسرے آدمی کے ساتھ کر

دی۔ اس کی محبت میرے دل میں پروان چڑھتی رہی۔ میں حصول

دولت میں کوشاں رہا اور خوب محنت و مشقت کی یہاں تک کہ میں بھی

مالدار بن گیا۔ شیطان نے مجھے اکسایا کہ میں اسے دولت کا لالچ دوں سو

وہ میرے پاس آنے لگی یہاں تک کہ میں ایک سال اسے تنگ کرتا رہا۔

ایک دن وہ مجھ سے مدد مانگنے آئی۔

(یوسف کا گھر ہے)

یوسف: پیاری! خوش آمدید! لگتا ہے تم اپنے چچا زاد سے راضی ہو گئی جو تیری

محبت پر نازاں ہے آؤ اس نرم و ملائم گدے پر بیٹھو۔

چچا زاد: یوسف! مجھے ساٹھ دینار چاہئیں جن کا تم نے وعدہ کیا تھا۔

یوسف: تم مجھے اپنے وصال سے نوازو گی؟

چچا زاد: جب تم چاہو۔

یوسف: لو۔ میں تمہیں مطلوبہ دیناروں سے دو گنا دیتا ہوں۔ ایک سو بیس دینار لو۔

پیری! اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس سے زیادہ بھی دے سکتا ہوں۔

چچا زاد: نہیں اتنے ہی کافی ہیں بلکہ یہ بھی زیادہ ہیں۔

یوسف: یہ لو میرے دل کی تمنا۔ (دیناروں کی تھیلی دیتا ہے)

چچا زاد: یوسف! اللہ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے۔ تیری اس نیکی سے میرے

شوہر اور بچوں کو ایک بار پھر زندگی کی خوشی مل جائیگی۔

یوسف: مجھے امید ہے کہ تم اب کی بار اپنے شوہر کو نہیں بتاؤ گی۔

چچا زاد: تعجب ہے یوسف! کیا تم مجھے میرے شوہر کی غیرت دلاتے ہو حالانکہ

وہ مجھے تمہاری غیرت نہیں دلاتا۔

یوسف: یہ تم کیسے کہتی ہو؟

چچا زاد: اس لیے کہ میں نے یہاں آنے کی اس سے اجازت لی تھی اور اس نے

اجازت دے دی۔

یوسف: اس نے تمہیں اجازت دے دی؟

چچا زاد: جی ہاں۔ آنکھوں میں آنسو لائے ہوئے اس ڈر سے کہ بھوک سے اس

کے بچے کہیں مرنہ جائیں گے۔

(یوسف کے چہرے کا رنگ بدل جاتا ہے۔ لیکن اس پر ہوس کا بھوت سوار ہے وہ عورت کا ہاتھ پکڑتا ہے۔

یوسف: تب تو تمہارے شوہر نے تمہیں ہمارے لیے بھیجا ہے۔ آؤ میری محبوبہ! لطف اٹھائیں۔

چچا زاد: (اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں) میں تیری خواہش کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔

یوسف: (اس کا ہاتھ چھوڑتا ہے) لیکن تو رو رہی ہے۔ کیوں؟

چچا زاد: میں اللہ سے ڈرتی ہوں جو دو جہاں کا پالنے والا ہے۔

یوسف: (خوف سے کانپتا ہے) افسوس اے اللہ کی نعمت کو ٹھکرانے والے۔

تم مصیبت میں بھی اس سے ڈرتی ہو اور میں خوشحالی میں نہیں ڈرتا۔ اللہ کی قسم! میرا ہاتھ تمہارے کپڑوں کو اب کبھی نہیں چھوئے گا۔

چچا زاد: اور مال یوسف! وہ تم لے لو۔

یوسف: اللہ کی رضا کی خاطر وہ میں نے تمہیں سبہ کیا..... اب اپنے بچوں کے

پاس جاؤ۔

چچا زاد: لیکن میرا شوہر خیال کریگا کہ شاید تو نے.....

یوسف: مجھے تمہارے شوہر سے کیا؟ میں اس سے نہیں ڈرتا میں صرف اللہ سے

ڈرتا ہوں جو دونوں جہاں کا پالنے والا ہے۔

(غار کی طرف آتے ہیں)

متی: اور وہ تجھ سے مال لیکر چلی گئی۔

یوسف: ہاں کیونکہ میرا دل اس کی محبت میں پگھلتا تھا۔ (عاجزی کے ساتھ اللہ

سے دعا کرتا ہے) اے باری تعالیٰ! اگر تو میں نے یہ فعل تیری رضا کے

مٹی: لیے کیا تو ہمیں درپیش مصیبت سے نجات عطا کر۔
(بلند آواز سے پکارتے ہوئے) چٹان ہٹ رہی ہے۔

ہارون: یا اللہ تیرا شکر ہے۔

مٹی: یہ رہا آسمان۔ اب ہم آسمان دیکھ سکتے ہیں۔

یوسف: الحمد للہ۔

مٹی: لیکن افسوس! نکلنا اب بھی مشکل ہے۔

ہارون: مٹی! اب تم آؤ۔

مٹی: ایسا میرے پاس ایک ہی عمل ہے جس کے بارے میں مجھے اللہ سے امید

ہے۔ مناسب تو یہی ہے کہ یہ میرے اور میرے رب کے درمیان راز ہے

یوسف: مٹی! اسے یاد کرو اور وسیلہ بنا کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کرو۔

مٹی: میرے پاس ایک کھیت تھا۔ ایک دن زمین پر کام کے لیے میں نے اجرت

پر کچھ مزدور لگائے۔ جب دن ختم ہوا تو میں نے سوائے ایک کے تمام کو

ان کی اجرت دی۔ اس کا نام سلیمان تھا۔ اس نے اجرت کو کم سمجھتے ہوئے

لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے اس میں اضافہ کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن وہ مجھ

سے ناراض ہو گیا اور چلا گیا۔ اس سے مجھے بڑا دلی دکھ ہوا۔ میں نے اسے ہر

جگہ تلاش کیا۔ مجھے اس کا کہیں بھی نشان نہ ملا۔ سو مجھے خیال آیا کہ اس کی

اس اجرت سے اس کے لیے پھل اگالیتا ہوں۔ پھر کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے اس

میں برکت عطا کی۔ وہ پروان چڑھتا رہا اور زیادہ ہوتا گیا۔ ادھر قحط سالی نے

آلیا۔ تمام مال خرچ ہو گیا۔ میرے پاس سلیمان کے سوا کوئی مال نہ رہا۔

میری بیوی مجھے اس کا مال لینے پر اکسانے لگی۔

(مٹی کا گھر ہے اور اس کے سامنے اس کی بیوی ہے)

متی: ہر گز نہیں۔ تمار! یہ مزدور کا مال ہے۔

بیوی: تمہی نے اسے بویا اور اگایا ہے۔

متی: لیکن اصل حق تو اسی کا ہے۔ اللہ نے اسی لیے اس میں برکت ڈالی ہے۔

اگر میں اسے اپنے مال میں شامل کرتا تو یہ بھی ختم ہو جاتا۔

بیوی: ان چوپاؤں میں سے ایک بکری ہی لے لو۔ تاکہ عید پر ذبح کر لیں۔ آخر وسیع گمرانہ ہے۔

متی: اللہ کی قسم! ہر گز نہیں۔ میں ان میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا جب تک کہ ان کا مالک نہ آجائے۔

بیوی: اس کا مالک کب آئیگا۔ شاید وہ مرچکا ہو۔

متی: اگر وہ مرچکا ہو گا تو میں ان کے ورثا کا پتہ معلوم کروں گا اور مال ان تک پہنچاؤں گا۔

(غار کی طرف آتے ہیں)

یوسف: متی! پھر اس کے بعد اس مال کا مالک آیا؟

متی: ہاں۔ سلیمان پانچ سال بعد آیا۔

(متی کا نیا گھر)

سلیمان: متی..... متی..... کیا تم مجھے پہچانتے نہیں ہو؟

متی: کون؟ سلیمان؟

سلیمان: ہاں میں سلیمان ہوں۔ تمہیں میرا نام ابھی تک یاد ہے۔

متی: میرے بھائی تم کہاں رہے۔ میں نے تمہیں بہت تلاش کیا۔

سلیمان: تاکہ مجھے پھر اجرت پر لگائے اور میرا حق مارے۔

متی: بلکہ میں نے تو تمہیں تیرا حق دینا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے تمہیں ہر جگہ

تلاش کیا۔

سلیمان: چند کلو چاول دینے کے لیے جو میں نے تمہارے لیے چھوڑ دیے تھے۔
متی تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ کے فضل سے آج مجھے ان چند کلو
چاولوں کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔

متی: آؤ۔ دیکھو۔ کیا تم نے یہ چوپائے اور ان کے چرواہے دیکھے ہیں؟

سلیمان: ہاں۔ متی! تم میرے بعد مالدار بن گئے ہو۔

متی: ہرگز نہیں۔ سلیمان! یہ میرے نہیں ہیں۔ سب کے سب تمہارے
ہیں۔ یہ پھل میں نے انہی چند کلو چاول سے حاصل کیا ہے۔ جسے تم نے
ٹھکرا دیا تھا۔

سلیمان: یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

متی: یہ میرے پاس تیری امانت تھی۔ آج اپنی امانت لو اور مجھے اس کی
حفاظت کے بوجھ سے نجات دلاؤ۔

سلیمان: متی! میرے ساتھ مذاق نہ کرو۔ میں آج غریب نہیں رہا کہ آپ کی
طنز کا نشانہ بنوں۔

متی: اللہ کی قسم! میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔

سلیمان: کیا سچ ہے؟

متی: قسم بخدا! یہ تمام چوپائے تمہاری ملکیت ہیں۔

سلیمان: اللہ کی قسم! تم بڑے ایماندار ہو۔ متی میں مال کا نصف حصہ تمہیں دیتا ہوں۔

متی: نہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ میں اس سے کچھ نہیں لوں گا۔

سلیمان: متی! کبھی بھی تمہیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔

متی: سلیمان! اگر اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بے نیاز نہ کرتا تو میں اسے کیسے

تمہارے لیے بچا کر رکھتا۔

الحمد للہ! میرے پاس خیر کثیر ہے۔

(غار کی طرف آتے ہیں)

وہ تمام چوپائے ہانک کر لے گیا؟

یوسف:

متی:

ہاں۔ میری بیوی مجھ سے ایک مہینہ تک ناراض رہی، اس نے مجھ سے بات تک نہ کی۔ اس وجہ سے کہ میں نے سلیمان کی پیشکش کو کیوں ٹھکرا دیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا اور رزق دینے والا ہے۔

بہت خوب متی! قسم بخدا یہ میرے اور یوسف کے عمل سے بھی بڑا عمل ہے۔ اس کے توسط سے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو کہ وہ اس مصیبت سے نجات بخشے۔

ہارون:

(عاجزی سے دعا کرتا ہے) اے باری تعالیٰ اگر تو میرا یہ عمل تیری رضا کے لیے تھا تو ہمیں اس مصیبت سے نجات دے۔

متی:

(جوش سے) وہ دیکھو! چٹان اپنی جگہ سے ہٹ رہی ہے۔ اے اللہ! وہ لڑھک گئی ہے۔

یوسف:

(غار کا منہ پہلے زیادہ کھلتا ہے اور نیچے کی طرف چٹان کے لڑھکنے کی آواز سنائی دیتی ہے)

الحمد للہ! ہم بچ گئے! ہم بچ گئے!

ہارون:

(خوشی اور فرحت کے ساتھ ایک دوسرے کے گلے ملتے ہیں اور کہتے ہیں) الحمد للہ! الحمد للہ!

تینوں:

چھوٹی دیوار

ایک ایسے انسان کی کتاب زندگی کا حسین ورق
”بار خلافت سر پر آتے ہی جس کی طرز حیات بالکل بدل گئی۔ گھر
آئے تو بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا۔ لونڈی نے
حیران ہو کر پوچھا۔ خیر ہے؟ آج مسرت کا دن ہے پھر یہ تشویش
کیسی؟ فرمایا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا تشویش ہو گی کہ مشرق و
مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جو اس وقت مجھ سے
حق طلب نہیں کر رہا۔ چاہے اس نے مجھے لکھا ہے یا نہیں اور
زبانی طلب کیا ہے یا نہیں۔“ (تاریخ اسلام: ۵۲۶)

5۔ چھوٹی دیوار

عمر بن عبد العزیزؒ کا عہد خلافت ہے۔ جیزہ مصر میں دو چھوٹے سے گھروں کے درمیان متوسط درجے کا صحن ہے ان میں ایک گھر فرتو نہ سوداء کا اور دوسرا فرتو نہ بیضاء کا ہے۔ فرتو نہ سوداء اپنے گھر کے دروازے کے آگن میں بیٹھی ہوئی دانے چھان رہی ہے کہ اچانک فرتو نہ بیضاء کی آواز اس کے گھر کے اندر سے سنائی دیتی ہے۔

آواز: فرتو نہ! اے کالی کلوٹی! اے کوئلہ! اے رات کی کالک!

السوداء: لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس زبان دراز ظالم کے پڑوس سے کب نجات عطا کریگا؟

بیضاء: (سفید مرغ پکڑے داخل ہوتی ہے مرغ اس کے ہاتھوں میں چیخ رہا ہے) تم یہاں دانے چھان رہی ہو اور اپنے اس مرغ کو کھلا چھوڑ رکھا ہے جو میرے چوزوں کو چونچیں مار کر ان کے دانے کھاتا ہے۔

سوداء: بہن معاف کرنا۔ قسم بخدا! مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ تمہاری دیوار پھاند گیا ہے۔

بیضاء: کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ اس لعنتی کو ڈربے میں بند رکھا کرو۔

سوداء: میں اسے پورا دن ڈربے میں بند نہیں رکھ سکتی۔

بیضاء: نہیں۔ تو نے اسے جان بوجھ کر چھوڑ رکھا ہے تاکہ میرے دانے کھائے۔

سوداء: اس نے تیرے جتنے دانے کھائے ہیں ان کی جگہ ان دانوں سے جتنے چاہو لے لو۔

بیضاء: (تکبر آمیز لہجے میں) سنبھالو اپنے ان دانوں کو۔ تجھے کس نے کہا ہے کہ میں تیرے دانوں کی محتاج ہوں۔

سوداء: پھر میں تیرے لیے اور کیا کروں؟ اپنا کوئی مرغ لے آؤ تا کہ وہ میرے دانے کھالے۔

بیضاء: میرے پاس کوئی بھوکا مرغ نہیں۔ میرا بازار دانوں سے بھرا ہوا ہے۔

سوداء: میرا بازار کونسا خالی ہے وہ بھی بھرا ہوا ہے۔ الحمد للہ! لیکن یہ بد بخت اپنا اپنا خیر کثیر چھوڑ کر تیرے پاس جا کر منہ مارتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ کمینہ کہیں کا!

بیضاء: اپنی مالکن کی طرح!

سوداء: بلکہ یہ تیری نسل کا ہے۔ تیری طرح سفید جو ہے۔

بیضاء: قسم بخدا! اگر میں نے دوسری مرتبہ اسے اپنے پاس دیکھا تو اس کی گردن دیوچ لوں گی۔

سوداء: عورت! اللہ سے ڈر اور رحم کر۔

بیضاء: میں نے تمہیں تنبیہ کر دی ہے مجھے ملامت مت کرو۔

(شنودہ کاتب داخل ہوتا ہے)

شنودہ: بس کرو ذی الصبح کی پڑوسنو! بس کرو۔ تمہیں ہے کیا؟ ہمیشہ لڑتی جھگڑتی رہتی ہو۔ یہ کیسی زندگی ہے؟

سوداء: شنودہ! میں کیا کروں؟ یہ مجھے ہر وقت کچو کے لگاتی رہتی ہے۔ جیسے اس نے مجھ سے کوئی انتقام لینا ہے۔ کاش تو مجھے کوئی دوسرا مکان بتا دے

تاکہ میں اس موذی عورت سے دور رہ سکوں۔

بیضاء: ایسی بھی کونسی پریشانی ہے؟ اسے کہو کہ تمہاری طرف سے امیر المومنین کے نام دمشق خط لکھے تاکہ وہ حلوان میں تجھے محل بنوادیں۔

سوداء: اوہو۔ مرغ کا قصہ ختم۔ خط کی کہانی شروع۔ بد قسمتی سے اب یہ رات تک جاری رہے گی۔

بیضاء: بلکہ میں یہ داستان عمر بھر دہراؤں گی۔ یہ بڑی دلچسپ ہے اس سے ہم نشین اور قصہ گو محفوظ ہوا کریں گے۔ (طنزاً ہنستی ہے) کس کا خط؟ جیزہ کی فرتوہ سوداء کا دمشق میں امیر المومنین کے نام۔ کس بات میں؟ اپنی چھوٹی دیوار کے بارے میں چاہتی ہے کہ امیر المومنین اپنے ماہر کاریگر بھیجیں تاکہ وہ اسے باڑہ بنادیں اور اس کی مرغیاں سنگ مرمر کے باڑے میں چلیں۔

سوداء: (اپنا غصہ پیتے ہوئے) جتنا چاہو مذاق کر لو، میں ہر گز نہیں بولوں گی۔ میں گھرتیرے لیے چھوڑ کر اپنی ایک ہمسائی کی طرف جا رہی ہوں۔ (اپنے گھر کا دروازہ بند کرتی ہے اور نکلنے لگتی ہے)

شنودہ: اور میں بھی جا رہا ہوں۔

بیضاء: شنودہ! تھوڑا سا ٹھہرو۔

شنودہ: فرتوہ! مجھے روزی کمانے دو۔

بیضاء: میں تجھ سے اپنا ایک خط لکھوانا چاہتی ہو..... ٹھہرو۔ (پھر فرتوہ

سوداء سے) دور نہ جانا امیر المومنین کا قاصد جواب لیکر آتا ہی ہو گا۔ کہیں وہ تمہیں غائب نہ پائے۔

سوداء: اگر وہ آئے تو تم خود ہی جواب لے لینا۔ (غصے سے نکلتی ہے)

بیضاء: (زور سے بولتی ہے تاکہ وہ سن لے) اسے میں لوں؟ میں دیوانی ہوں؟ کوڑے لگانے والا کوڑے تیری پشت کی بجائے میری پشت پر لگائے؟

شنودہ: فر تو نہ! اسے اس طرح ڈرانے کا تجھے کوئی حق نہیں۔

بیضاء: اگر امیر المومنین کا سپاہی نہ آیا تو میں کل اپنے سر کے بال کٹوادوں گی، وہ اسے بالوں سے گھسیٹ کر حوالات میں لے جائے گا۔

شنودہ: یہ ناممکن ہے۔

بیضاء: میں اپنی ان آنکھوں کی پلکیں نوچ لوں گی اگر انہوں نے اس کا خط لکھنے والے کے بارے میں نہ پوچھا۔ تاکہ وہ اس کے ہاتھ کاٹیں۔

شنودہ: یہ غیر معقول بات ہے۔

بیضاء: تیرے نزدیک غیر معقول ہے۔ تم امیر المومنین کے مقام اور ان کی بے ادبی کی سزا کو نہیں جانتے۔ شنودہ! مجھے بتاؤ کیا تم اپنے بائیں ہاتھ سے بھی لکھ لیتے ہو؟

شنودہ: نہیں۔ صرف دائیں ہاتھ سے۔

بیضاء: نوجوان! تیری زندگی ختم۔

شنودہ: (کچھ خوف سا طاری ہوتا ہے) لیکن میرا گناہ کیا ہے۔ خط میرا تو نہیں۔

بیضاء: تو نے اسے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔

شنودہ: اجرت پر۔ یہ میرا پیشہ ہے اسی سے میں گزر بسر کرتا ہوں۔

بیضاء: تجھ پر فرض تھا کہ اسے مناسب، غیر مناسب طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتا وہ تو جاہل اور احمق ہے اور تم پڑھے لکھے، عقل بھی رکھتے ہو اور فہم بھی۔

میں نے خط پر کبھی اپنا نام نہیں لکھا۔ سپاہیوں کو معلوم نہیں ہو سکے گا کہ میں نے لکھا ہے۔

تم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ میں انہیں تیرے بارے میں بتا دوں گی۔

فر تو نہ! مہربانی کر ایسا نہ کرو۔ اللہ تجھ پر کرم کرے گا۔ تو میرا گھرا جاڑنے پر کیوں تلی ہوئی ہے؟ کیا میں نے آج تیرے ساتھ کوئی برائی کی ہے؟

اگر تم نہ ہوتے تو یہ کالی کلوٹی بڑی نہ بنتی اور نہ لوگوں کے سامنے باجھیں کھول کر انہیں بتاتی کہ اس نے امیر المومنین کو خط بھیجا ہے اور اس کا خط امیر المومنین کا قاصد دمشق لے گیا ہے۔

اگر میں نہ لکھتا تو وہ کسی اور سے لکھوا لیتی۔

ہز گز نہیں۔ اسے تیرے سوا کوئی احمق نہ ملتا جو اس جرم کے ارتکاب میں اس کی مدد کرتا۔

لیکن جو کا تب اجرت پر لکھتے ہیں۔ وہ لوگوں کے لیے لکھے ہوئے خطوط کے بارے میں جوابدہ نہیں ہوتے۔

ماشاء اللہ! جب میں تجھے امیر المومنین کی ہجو لکھواؤنگی، تم اسے لکھو گے، میں اسے قاصد کے ذریعے بھیجوں گی۔ امیر المومنین تجھے سزا نہیں دیں گے بلکہ تجھے اعلیٰ انعام دینے کا حکم جاری کریں گے؟

لیکن میں نے جو کچھ اس کے خط میں لکھا ہے وہ امیر المومنین کی ہجو تو نہیں۔

اس کے اور ہجو کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اللہ کی قسم اگر کالی فر تو نہ یہ خط مجھے بھیجتی تو میں اسے اپنی شان کی توہین شمار کرتی۔

فر تونہ! لوگ کہتے ہیں کہ جناب عمر بن عبدالعزیز عادل اور مہربان ہیں۔
ہاں لیکن کیا عادل اور مہربان ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے منصب کا
لحاظ اور آداب کا پاس نہ کیا جائے؟ تیرے نزدیک بادشاہ کا کوئی مقام نہیں؟
(شنودہ سامنے والی گلی میں دیکھتا ہے) وہ کیا! یہ تو گلی میں سپاہی آرہا
ہے۔

میں نے تمہیں کہا نہیں تھا؟ میرا خیال ہے یہ کسی امیر کا خچر ہے۔
یہ امیر ایوب بن شر حبیل ہیں۔ فر تونہ! مہربانی کر کے میرا پردہ رکھنا۔
اللہ تمہارا پردہ رکھے گا۔ میں تمہیں ایک خط مفت لکھ دوں گا۔
پھر دروازے کی اوٹ میں ہو جاؤ تاکہ وہ تمہیں دیکھ نہ سکیں۔ (شنودہ
دروازے کے پیچھے چھپ جاتا ہے)

(امیر ایوب بن شر حبیل صحن کی طرف آتے ہیں)

ایوب: اہل خانہ! السلام علیکم

بیضاء: وعلیکم السلام

ایوب: کیا یہ ذی الصبح کی پڑوسن فر تونہ کا گھر ہے؟

بیضاء: جی جناب (سپاہی امیر کے پاس آتا ہے)

ایوب: (سپاہی سے) خچر کہیں بھاگ نہ جائے۔

سپاہی: جناب! میں نے اسے باندھ دیا ہے۔

ایوب: کیا تم ذی الصبح کی پڑوسن فر تونہ ہو۔

بیضاء: (پس و پیش کرتے ہوئے) ہاں جناب..... نہیں نہیں سرکار

ایوب: افسوس! اپنی دیوار مرمت کرانے کے لیے کیا تمہی نے امیر المومنین کو

خط نہیں لکھا؟

بیضاء: سرکار! مجھے معاف رکھیں، بھلا میں ایسا کر سکتی ہوں؟ میں یہ جرم کیوں کروں؟

ایوب: (تجیہ انداز میں ہنستا ہے) بی بی مجھ سے ڈرو مت۔ میں امیر المومنین کے حکم سے تمہاری دیوار کی درستی کے لیے آیا ہوں۔

بیضاء: (سوچتے ہوئے) سرکار! معذرت مجھے وہم پڑ گیا تھا۔

ایوب: کیسا وہم؟

بیضاء: میں نے گمان کیا کہ شاید امیر المومنین خط سے ناراض ہو گئے ہیں اور آپ.....

ایوب: ہر گز نہیں۔ بلکہ امیر المومنین نے مجھے حکم فرمایا کہ میں تیرے پاس خود جاؤں اور تیری ضرورت کو پورا کروں۔

بیضاء: اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ سرکار! میں ہی خط بھیجنے والی ہوں۔

شنودہ: (دروازے کے پیچھے سے ظاہر ہوتا ہے) جناب! اس کی باتوں میں ہر گز نہ آئے۔

یہ خط بھیجنے والی نہیں ہے۔ یہ میں نے ہی امیر المومنین کے نام خط لکھ کر دیا تھا۔

ایوب: (حیرانگی سے) اور تو کون ہے؟

شنودہ: میں شنودہ فیومی ہوں۔ لوگوں کو اجرت پر لکھ کر دیتا ہوں۔

ایوب: کیا تو نے اس کے لیے خط نہیں لکھا تھا؟

شنودہ: نہیں جناب، بلکہ فرتو نہ سوداء کے لیے لکھا تھا۔

- ایوب: ذی الصبح کی پڑوسن
شنودہ: ہاں وہ بھی ذی الصبح کی پڑوسن ہے۔
- ایوب: وہ کہاں ہے؟
شنودہ: میں ابھی آتا ہوں۔
(شنودہ باہر نکل جاتا ہے)
- سپاہی: افسوس اے عورت تو نے امیر المومنین کے عامل کے سامنے جھوٹ بولا ہے؟
- ایوب: عمرو! چھوڑو، چھوڑو اسے
بیضاء: (شرمندگی میں) سرکار! مجھے معاف کر دیں۔
- ایوب: اگر تو مجھے سچ بات بتائے تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟
بیضاء: میں پہلے سمجھی کہ فرتونہ نے امیر المومنین کے نام خط لکھ کر آداب کی پاسداری میں جو کوتاہی کی ہے، آپ اسے اس کی سزا دینے آئے ہیں۔ پھر جب مجھے یہ علم ہوا کہ آپ اس کی دیوار درست کرنے آئے ہیں تو مجھے طمع ہوئی کہ آپ میری دیوار بھی درست کریں۔ وہ بہت چھوٹی ہے، چور پھلانگ کر آجاتے ہیں اور مرغیاں چرا لیتے ہیں۔
- ایوب: اور تمہارا نام بھی فرتونہ ہے؟
بیضاء: ہاں، سرکار! لوگ مجھے فرتونہ بیضاء اور اسے فرتونہ سوداء کہتے ہیں۔
(فرتونہ سوداء داخل ہوتی ہے اور اس کے ساتھ شنودہ ہے)
- شنودہ: سرکار! یہ ہے وہ.....، یہ خط بھیجنے والی ہے۔
(وہ حاضرین کے چہروں پر نگاہ ڈالتی، گویا کہ اسے اس معاملہ میں شک ہے)

ایوب: (خط نکالتا ہے) فرتو نہ! یہ امیر المومنین کا تمہارے نام جوابی خط ہے۔

سوداء: (بڑبڑاتی ہے) امیر المومنین کا جوابی خط؟ میرے نام؟

ایوب: ہاں۔ اپنے اس کاتب سے کہو کہ تمہیں پڑھ کر سنائے۔

سوداء: جی سرکار!

ایوب: شنودہ! پکڑو اور پڑھ کر سناؤ۔

شنودہ: (خط لیتا ہے اور پکڑتا ہے) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے بندے

عمر امیر المومنین کی طرف سے ذی الصبح کی پڑوسن فرتو نہ سوداء کی

طرف۔ مجھے تمہارا خط پہنچا، تو نے دیوار کے چھوٹی بھونے اور چوروں

کے داخل ہو کر مرغیاں چرانے کا ذکر کیا ہے۔ میں نے ایوب بن

شرحبیل کو حکم نامہ لکھ دیا ہے جس میں اسے میں نے حکم دیا ہے کہ وہ

تیری دیوار بنادے تاکہ تم خدشات سے محفوظ ہو جاؤ۔ انشاء اللہ۔ والسلام

سوداء: (فرتو نہ بیضاء کے گھر خوشی سے جھومنے لگتی ہے رقص کرتی

ہے، گنگنائی ہے) امیر المومنین کی طرف سے مجھے سلام آیا۔

سپاہی: (جھڑکتا ہے) چھوڑو! اے عورت! امیر محترم تیرا رقص دیکھنے نہیں

آئے۔

سوداء: رومیہ تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

ایوب: بس، فرتو نہ! کافی ہے۔

بیضاء: (ٹھنڈی آہ بھرتی ہے) سرکار! اسے آپ کہیں۔ یہ کسی کے مقام کا

لحاظ نہیں کرتی۔

سوداء: (زمین کو پاؤں سے بجاتی ہے، ہتھیلی کو ہتھیلی پر مارتی ہے اور

خوشی سے چلاتی ہے) رومیہ! تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ امیر

- المومنین کی طرف سے تجھے سلام آیا ہے۔
- ایوب: (غصے اور ہنسی کے ملے جلے لہجے میں) بس کرو عورت! تمہارے اس فعل سے امیر المومنین خوش نہیں ہونگے۔
- سوداء: معاف کرنا سرکار! امیر المومنین کے خط کی خوشی نے مجھے اس قدر سرشار کر دیا کہ مجھے اپنے آپ پر قابو نہ رہا۔
- ایوب: (نرم ہوتے ہوئے) کیا تیرے پاس بہت سی مرغیاں ہیں؟
- سوداء: الحمد للہ! جناب! میرے پاس بہت سی عمدہ قسم کی مرغیاں ہیں آپ دیکھنا پسند کریں گے آئیں۔ اس کھڑکی سے دیکھیں۔
- ایوب: (کھڑکی کے پاس آکر دیکھتا ہے) ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔
- سوداء: اگر چور چرا کر نہ لیجاتے تو اس سے بھی زیادہ ہوتیں۔
- ایوب: انشاء اللہ کل ہم آدمی بھیجیں گے جو تمہاری دیوار کو درست کر دے گا۔ پھر اسے کوئی پھلانگ نہیں سکے گا۔
- بیضاء: (شرمندگی سے سر جھکائے ایوب کے پاس آتی ہے) سرکار! میری یہ دیوار؟ یہ بھی تو چھوٹی ہے اللہ آپ کی اصلاح کرے، آپ اسے درست نہیں کرائیں گے؟
- سوداء: (غصے سے) جناب! ہرگز ایسا نہ کیجئے۔ یہ کوئی انصاف نہیں کہ آپ میرے خرچ پر ہی اس کی دیوار بھی درست کر دیں۔
- ایوب: (ہنستے ہوئے) بلکہ امیر المومنین کے خرچ پر۔
- سوداء: امیر المومنین اس کو پسند نہیں کریں گے۔ کاتب کو اجرت تو میں نے دی ہے۔ وہ آپ کے سامنے ہے، پوچھ لیں۔
- ہاں۔ سرکار! شنودہ:

ایوب: فر تو نہ! اسے کتنی اجرت دی ہے۔

سوداء: دو درہم۔

ایوب: ایک درہم تیری طرف سے ہوا۔ اور ایک درہم اس کی طرف سے۔

بیضاء: جناب! آپ نے کیا عمدہ انصاف کیا (درہم نکالتی ہے) یہ لو درہم!

سوداء: (اس سے منہ پھیر لیتی ہے) ہر گز نہیں۔ میں اس کا کیوں درہم

لوں؟ میں کبھی بھی اس بات پر خوش نہیں ہوں گی کہ اسے میرے ہاتھ سے کوئی بھلائی حاصل ہو۔

ایوب: افسوس! تجھ پر ہمسائیگی کا حق رکھتی ہے اور ایک مالک ہونے کی قرابت کا حق بھی ہے سودہ تمہاری بہن ہے۔

سوداء: میری بہن؟ ہر گز نہیں سرکار! یہ ہمیشہ مجھے عار دلاتی ہے، میرا تمسخر اڑاتی ہے۔ حقیر سمجھتی ہے۔ آپ ہمسایوں سے پوچھ لیں۔

بیضاء: جناب! اس کی بات نہ مانیئے گا۔ یہ جھوٹ بولتی ہے۔

ایوب: (اسے ڈانٹتا ہے) تیرا برا ہو۔ میرے سامنے پھر جھوٹ بولا۔ آئندہ

جھوٹ مت بولنا۔ بی بی! اپنے رب سے توبہ کرو۔ اور یاد رکھو تمام لوگ کنگھنی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں رنگ، مال اور نسب کے لحاظ سے کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ برتری صرف تقویٰ کی بناء پر ہے۔ تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

بیضاء: (روتی ہے) سرکار! میں توبہ کرتی ہوں۔ میں کبھی بھی زبان پر ایسا کوئی لفظ نہیں لاؤں گی جس سے اسے اذیت پہنچے۔

ایوب: اس سے راضی ہو جاؤ جب تک تم اس سے راضی نہیں ہو جاؤ گی میں تمہاری دیوار نہیں بناؤں گا۔

بیضاء: (اپنی سہیلی کی طرف آتی ہے اور اس کے سر کو چومتی ہے)
میری بہن! مجھے معاف کر دو۔ خدا کی قسم میں اب کبھی کوئی ایسی بات
نہیں کروں گی جسے تو ناپسند کرے۔

سوداء: اور مرغ، کیا تو اس کی گردن مارے گی اگر وہ دوبارہ تمہاری دیوار پر چڑھ
گیا؟

بیضاء: میری بہن! بالکل نہیں۔ وہ جو چاہے کرے میں اسے کچھ نہیں کہوں گا۔
ایوب: فر تو نہ! یہ مرغ کا کیا قصہ ہے۔

سوداء: سرکار! میرے پاس ایک سفید مرغ ہے۔ بڑا کمینہ نفس ہے، اپنے باڑے
کے وافر اور عمدہ دانے چھوڑ کر اس کے بارے میں گلنے چلا جاتا ہے۔

بیضاء: جناب! آپ نے سنا؟ اب یہ مجھے جتا رہی ہے اور مجھے میرے رنگ کی عار
دلارہی ہے۔

ایوب: افسوس! فر تو نہ! تجھے اس طرح بات نہیں کرنی چاہئے۔
سوداء: سرکار! میری توبہ۔ میں آئندہ ایسا نہیں کروں گی۔ (بیضاء کے سر کو
چومتی ہے) میری بہن! مجھے معاف کر دے، تیرا مجھ پر حق ہے۔ تو
مجھے عار دلانہ میں تجھے عار دلاتی ہوں۔ تو مجھے حقیر سمجھ نہ میں تجھے حقیر
سمجھتی ہوں۔ اتفاق؟

بیضاء: اتفاق۔

سوداء: شنودہ! تم گواہ رہنا۔

ایوب: (ہنستا ہے) عمرو! میرا نچر لاؤ۔

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پروسی

اس عظیم ہستی کے حسن خلق اور اعلیٰ کردار کی ایک جھلک:
جو علم و حکمت میں ایک بحر ناپیدا کنار اور زہد و تقویٰ میں نادر
روزگار تھی۔ جس کے بارے میں خلف بن ایوب بیانگدھل کہا
کرتے تھے۔

”اللہ تعالیٰ سے علم حضور ﷺ تک پہنچا وہ علم آپ ﷺ نے
صحابہ کرام تک پہنچایا۔ صحابہ کرام نے تابعین کو اور تابعین سے
وہ علم امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کو ملا۔
حق یہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

(تاریخ بغداد: ۱۳/۳۳۶)

6۔ امام ابو حنیفہؒ کا پڑوسی

(۱)

امام ابو حنیفہؒ کے گھر کا ایک کمرہ ہے، چھوٹا سا دیا جل رہا ہے، امام مصلیٰ پر تشریف فرما ہیں، پڑوسی کی آواز سنتے ہیں۔ جو بڑی درد بھری آواز میں گارہا ہے۔

دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو، یا درمیاں رہے

امام کے چہرے پر ہمدردی اور غمگساری کے آثار ظاہر ہوتے ہیں پھر ان کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھتا ہے، وہ خود کلامی کے سے انداز میں فرماتے ہیں۔

امام: اے اللہ! میرے پڑوسی کو ہدایت نصیب فرما اور اس کو توبہ کی توفیق عطا کر۔ بلاشبہ تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

(امام نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور پورے خشوع کے ساتھ نماز کے لیے تکبیر کہتے ہیں۔ پڑوسی کی آواز برابر جاری ہے اور وہ شعر گنگنائے جا رہا ہے، لیکن جناب ابو حنیفہؒ نماز میں مستغرق ہیں۔ جیسے آپ آواز کو ذرا بھی نہیں سن رہے ہیں۔)

(۲)

(پڑوسی عاصم بن عبد العزیز کے گھر کا معمولی سا کمرہ
ہے۔ عاصم ایک بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہے، اس کے سامنے
شراب کی بھراچی پڑی ہے۔ وہ پی رہا ہے اور گارہا ہے۔)
(اس کی بیوی غصے میں داخل ہوتی ہے)

بیوی: اے آدمی! کیارات بھر تجھے شراب پینے اور مستی کرنے سے شرم نہیں
آتی؟

عاصم: کیا تو چاہتی ہے کہ میں دن کے وقت شراب پیوں، پھر تیرے اور
تیرے بچوں کے لیے رزق کون کمائے گا؟

بیوی: ہمارے لیے پہلے کونسا رزق کماتے ہو، جو کچھ کماتے ہو وہ شراب پر
پھونک ڈالتے ہو۔

عاصم: میں دن کو اسی میں تو مست ہو کر کام کرتا ہوں۔

بیوی: بلکہ جب سے شیطان نے تجھے شراب کی لت ڈالی ہے تیرا کام ٹھپ اور
مال تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔

عاصم: اے عورت! حقائق کو بدلو مت۔ جب سے کاروبار مندا ہوا ہے اور مال
میں گھانا پڑا ہے تب سے شراب کی عادت پڑی ہے۔ اب اپنے بستر پر جاؤ
گی یا تمہیں بھی شراب کا ایک جام پلاؤں تاکہ تو بھی کچھ لطف اٹھالے۔

بیوی: عاصم! میرے ساتھ یہ مذاق نہ کرو۔ تمہیں یاد ہے یہ تیسرا مہینہ ہے اور
ابھی تک گھر کا کرایہ نہیں دیا۔

عاصم: (لا پرواہی سے) ایک ہی مرتبہ تمام ادا کر دیں گے۔

- بیوی: مگر کب؟
- عاصم: جب حالات کچھ سازگار ہو جائیں گے۔
- بیوی: گھر کا مالک ہرگز صبر نہیں کرے گا۔
- عاصم: پھر وہ اپنا سر دیوار پر ٹنچ لے۔ (دوبارہ گنگنا نے لگتا ہے)
- بیوی: تب اپنی آواز تو آہستہ رکھو۔ کیوں اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرتے ہو
- عاصم: میرے پڑوسی! اب تو وہ تمام کے تمام سو رہے ہونگے۔
- بیوی: تیرے پڑوس میں امام ابو حنیفہ بھی تو ہیں۔ جو رات کو تہجد ادا کرتے ہیں۔
- عاصم: مجھے ان سے کیا غرض؟ ہم میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی تہجد ہے۔
- بیوی: بہت برے ہو تم۔ یہ گانا گا کر ان کی نماز اور تلاوت میں مغل ہوتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی۔
- عاصم: میں اپنے گھر میں ہوں، آزاد ہوں، جو چاہوں کروں، اگر وہ میری آواز سے تنگ ہوتے ہو تو وہ یہ مکان بدل لیں اور مجھ سے دور کسی دوسرے مکان میں رہ لیں۔
- بیوی: ہائے افسوس! تم نہیں سمجھو گے۔
- عاصم: میں نہیں سمجھوں گا۔ کیوں؟
- بیوی: اگر یہ ابو حنیفہ نہ ہوتے تو مالک مکان ہمیں پچھلے ماہ ہی نکال دیتا۔
- عاصم: وہ کیسے؟
- بیوی: وہ اس لیے کہ ابو حنیفہ ہی تو ہیں جنہوں نے ہمارا تین ماہ کا کرایہ ادا کیا ہے۔
- عاصم: (بیہودگی اور گستاخی سے) جانتی ہو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔
- بیوی: کیوں کرتے ہیں؟ بتاؤ!
- اس لیے کہ انہیں میرا گانا بہت پسند ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ وہ میری

خوبصورت سریلی آواز سننے سے محروم ہوں۔ (گانے لگتا ہے)
(بیوی ناامید ہو کر روتے ہوئے اس کے پاس سے اٹھ کر
باہر نکل آتی ہے۔)

(۳)

(حسب عادت امام ابو حنیفہ تیسری رات بھی تہجد کے
لیے اٹھتے ہیں۔ جب آپ دو نفل پڑھ کر سلام پھیرتے
ہیں تو امام حنیفہ حاضر خدمت ہو کر عرض کرتی ہیں۔)

ام حنیفہ: حضور معاف فرماتا۔ اگر کل روزہ رکھنے کا ارادہ ہے تو سحری کا وقت
شروع ہو چکا ہے۔

ابو حنیفہ: شکریہ ام حنیفہ۔ آؤ۔

ام حنیفہ: میں آپ کی سحری کے لیے کھانا تیار کرتی ہوں۔

ابو حنیفہ: پہلے میرے پاس آؤ اور مجھے بتاؤ کہ ہمارے پڑوسی لوہار کا کیا حال ہے؟ کیا
تو آج اس کی بیوی کو ملی ہو؟

ام حنیفہ: کیوں نہیں حضور۔ آپ کے حکم کے مطابق میں اس سے آج ملی تھی۔
وہ بیمار ہے اور بستر علالت پر پڑی ہے۔

ابو حنیفہ: ہوں۔ اب پتہ چلا۔ اسی وجہ سے تو اس کے شوہر کی آواز دور اتوں سے
نہیں آرہی تھی۔

ام حنیفہ: جناب یہ بات نہیں۔ وہ تو اپنے شوہر کے بارے میں جانتی ہی نہیں کہ
کہاں چلا گیا۔ دو دن پہلے گھر سے باہر نکلا تھا پھر لوٹ کر واپس نہیں آیا۔

ابو حنیفہ: اور اسے اس کے بارے میں کوئی خبر؟

- ام حنیفہ: کوئی نہیں۔
- ابو حنیفہ: بے چاری مسکین!
- ام حنیفہ: بے چاری نے اس سے اور اس کی خرمستیوں سے آرام تو پایا۔
- ابو حنیفہ: ام حنیفہ! وہ اس کا شوہر اور اس کے بچوں کا باپ ہے۔
- ام حنیفہ: وہی تو اس کی بیماری کا سبب بنا ہے۔
- ابو حنیفہ: ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ ہم اسے تلاش کریں۔ کاش مجھے اس بات کا پہلے علم ہوتا۔
- ام حنیفہ: اگر آپ چاہتے ہی ہیں تو پھر اپنے شاگر ابو یوسف کو اس کی تلاش میں بھیج دیں۔
- ابو حنیفہ: ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ یہ کام ابو یوسف ہی کر سکتا ہے۔ اور مناسب بھی وہی ہے۔

(۴)

(دوپہر کا وقت ہے، ابو یوسف امام ابو حنیفہ کے گھر داخل ہوتے ہیں۔ امام انہیں بڑے اشتیاق سے ملتے ہیں۔)

- ابو حنیفہ: ابو یوسف! کچھ پتا چلا۔
- ابو یوسف: جی حضور۔
- ابو حنیفہ: خدا کرے اچھی خبر ہو۔
- ابو یوسف: حضور! پتا چلا ہے کہ رات کے چوکیداروں نے اسے راستے میں شراب پیتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ سو انہوں نے اسے پکڑا اور حوالات میں بند کر دیا۔
- ابو حنیفہ: لا حول ولا قوۃ الا باللہ: اس نے گھر سے باہر شراب کیوں پی؟
- ابو یوسف: جناب! وہ بڑا خرمست اور آوارہ منش ہے اندر باہر شراب کے جام پر

جام لٹھاتا ہے۔

ابو حنیفہ: مسکین بے چارہ! اللہ رحم کرے۔ آؤ جناب امیر عیسیٰ بن موسیٰ کے پاس اس کی سفارش کے لیے چلیں۔

ابو یوسف: جناب! کئی مرتبہ جناب امیر نے فقط آپ کے اعزاز و اکرام کی خاطر آپ سے ملاقات کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے، لیکن آپ نے انہیں ملاقات کا شرف نہ بخشا۔ اور آج آپ ایک فاسق نشئی کی سفارش کیلئے اس کے پاس جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کے شر سے لوگوں کو دور رکھے۔
ابو حنیفہ: یعقوب! کیا تجھے اس پر کوئی اعتراض ہے۔

ابو یوسف: ہاں حضور! دین ہے ہی نصیحت۔ چاہے نصیحت کرنے والا یعقوب اور سننے والا ابو حنیفہ ہو۔

ابو حنیفہ: تو نے سچ کہا۔ لیکن اس میں برائی کیا ہے؟

ابو یوسف: اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حد میں سفارش کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔

ابو حنیفہ: یعقوب! میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ اس پر لگنے والی حد پر میں ہرگز سفارش نہیں کروں گا۔ میں تو اس پر حد کے نافذ ہونے کے بعد اس کی رہائی کی درخواست کرنا چاہتا ہوں۔

ابو یوسف: وہ قید ہی کے لائق ہے۔ گانا گائے ہوؤں کو پریشان کرتا تھا۔

ابو حنیفہ: اس کی آواز بڑی میٹھی اور رسیلی تھی کہ سونے والا اس سے راحت پاتا تھا، دکھی مریض انس حاصل کرتے ہیں کئی مرتبہ اس کی آواز سے مجھے بھی رات کو سرور آیا۔

ابو یوسف: حضور! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ وہ گانا گاتے ہوئے رات بھر شراب پیتا تھا۔

ابو حنیفہ: (غصے سے) امیر کے پاس میرے ساتھ چلو گے یا میں اکیلا جاؤں۔

ابو یوسف: حضور! میں آپ کے ساتھ ضرور چلوں گا۔ لیکن اس اطمینان کے بعد کہ آپ ایسا کیوں کرنا چاہتے ہیں؟

ابو حنیفہ: یعقوب! اس کی بیوی اور بچے ہیں۔

ابو یوسف: مجھے معلوم ہے۔ بیوی بچوں کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان پر آپ خرچ کرتے ہیں اور وہ اپنا مال شراب پینے پر اڑاتا ہے۔

ابو حنیفہ: نوجوان! اس ہمسائے کے مجھ پر بڑے احسان ہیں۔ مروت اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ میں ان کا بدلہ چکاؤں۔

ابو یوسف: بڑی عجیب بات ہے ایسے کونسے احسانات ہیں جو اس شرابی نے جناب ابو حنیفہ پر کیے ہیں۔

ابو حنیفہ: یعقوب! آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ میری کوئی بات بھی تم ماننے کے لیے تیار نہیں ہو۔

ابو یوسف: نہیں حضور ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں تاکہ مجھ پر حقیقت حال واضح ہو جائے۔

ابو حنیفہ: (غصے سے) اب سنو اور سمجھو! میں نے دل میں سوچا کہ جب یہ پڑوسی نیند سے بے نیاز پوری رات شعر کو گنگناتے گزار دیتا ہے حالانکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ثواب کی امید ہے نہ لوگوں سے معاوضہ ملنے کی توقع ہے۔ پھر میں کیوں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قیام کرنے اور سجدہ ریز ہونے کو بوجھ سمجھوں، میں کیوں نہ اللہ کی عبادت کروں، اس کے حضور کیوں نہ اپنی نیاز مندیاں پیش کروں اور اس سے خیر و بھلائی کی امید رکھوں؟

ابو یوسف: یہ ایک احسان ہوا۔ اور اس کے علاوہ۔

ابو حنیفہ: میرے دل میں یہ بات بھی آئی کہ یہ آدمی رات بھر خاص کر یہ شعر اس لیے گنگناتا ہے کہ اس پر بعض ان لوگوں نے بھی زیادتیاں کی ہیں جن سے اسے امید نہ تھی۔ پس وہ شعر کو بار بار گنگنا کر اپنے کرب کو ہلکا اور غم کو غلط کرتا ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے لوگوں سے بے نیاز رکھا۔ مجھے ان سے کسی ظلم و زیادتی کی کوئی شکایت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف اپنا محتاج کیا ہے۔ جو بڑا انصاف پسند اور مہربان ہے۔ وہ نہ کسی پر زیادتی کرتا ہے نہ سختی۔

ابو یوسف: یہ دوسرا ہوا۔ اور تیسرا۔

ابو حنیفہ: مجھے اس کی اس بات پر بڑا تعجب ہے کہ وہ بلند آواز کے ساتھ کیوں گاتا تھا شاید اس لیے کہ چوبکیداروں کو اس کا اور اس کے مکان کا پتہ چل جائے۔ میں رات کو اٹھتا تو اسے ایسے ہی سنتا۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حد درجہ مہربانی اور پردہ پوشی پر حیران ہوں۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے، تو تو اس کے بندوں کا پردہ کیوں نہیں رکھ سکتا۔

(ابو یوسف اس دوران جو کچھ سنتے ہیں وہ لکھ لیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کو محسوس نہیں ہوتا وہ اپنی گفتگو میں مگن ہیں اچانک ابو یوسف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں۔)

ابو حنیفہ: یعقوب تم کیا کر رہے ہو؟ کیا کچھ لکھنے میں مشغول ہو؟

ابو یوسف: نہیں جناب! میں تو وہ لکھ رہا ہوں جو آپ سے سن رہا ہوں۔

ابو حنیفہ: ہوں۔ تو گویا بات یہاں تک پہنچ گئی ہے۔

ابو یوسف: جی حضور آج آپ کی بے ادبی کا مرتکب جو ہوا ہوں۔
ابو حنیفہ: آؤ! اب امیر محترم کے پاس چلیں۔
ابو یوسف: حضور! چوتھا احسان نہیں بتائیں گے تاکہ وہ بھی لکھ لوں۔
ابو حنیفہ: اب تمہارا کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔ اٹھو اور چلنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔
(دونوں جانے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔)

(۵)

امیر کا عالیشان محل ہے..... اس کا مصاحب حاضر ہوتا ہے..... بھاری بھر کم تخت ہے جس پر خوبصورت گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں۔ فرش پر عمدہ قالین بچھا ہوا ہے۔ امیر بڑے تپاک سے امام ابو حنیفہ کا استقبال کرتا ہے انہیں تخت پر اپنی ایک طرف بٹھاتا ہے۔ ابو یوسف ان کے سامنے والی مسند پر بیٹھ جاتے ہیں۔)

امیر: ابو حنیفہ تشریف آوری کا بہت شکریہ، ہزار بار شکریہ۔
ابو حنیفہ: عیسیٰ بن موسیٰ! یہ آپ کے آدمیوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔
امیر: کیا انہوں نے آپ سے کوئی بد تمیزی کی ہے؟
ابو حنیفہ: انہوں نے میرے خچر کو پکڑ لیا اور مجھے نیچے اترنے نہ دیا۔ اور پھر مجھے خچر پر سوار ہی قالین پر چلا کر لائے۔

امیر: آپ کی عزت افزائی کی خاطر یہ میں نے انہیں حکم دیا تھا۔
ابو حنیفہ: (مزاح کرتے ہوئے) ابو یوسف آؤ واپس چلیں۔ جناب امیر نے ہماری آمد پر ہی اس قدر عزت و تکریم کی ہے کہ اب ان کی خدمت میں

اپنی حاجت پیش کرنے کا ہمارے پاس کوئی عذر نہیں رہا۔

امیر: (ہنستے ہوئے) جناب! ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے لائق کوئی خدمت

ہے تو ہم اسے بجالانا اپنے لیے سعادت سمجھیں گے۔ حضور! آپ بیان کریں اور حکم فرمائیں میں اور میرے آدمی آپ کے ممنون احسان ہوں گے۔

ابو حنیفہ: میں اپنے عزیز پڑوسی سے ملنا چاہتا ہوں جسے آپ کے چوکیدار نے پکڑ رکھا ہے۔

امیر: جناب! آپ کی سفارش پر ابھی عمل درآمد ہوتا ہے۔

ابو حنیفہ: کیا آپ پہلے یہ نہیں سنیں گے کہ اس کا گناہ کیا ہے۔

امیر: ہو گا اس کا کوئی گناہ۔ لیکن میں آپ کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔

ابو حنیفہ: جناب! میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔

امیر: غلام! اسے لے آؤ۔ (سپاہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو اس کے سامنے کھڑا ہے)

سپاہی: کسے جناب!

امیر: قیدیوں میں جناب ابو حنیفہ کے پڑوسی کا پوچھو اور اسے لے آؤ۔

ابو حنیفہ: اس کا نام عاصم بن عبدالعزیز ہے۔

امیر: جس کا بھی نام عاصم بن عبدالعزیز ہے۔ اسے ہمارے پاس لے آؤ۔ جاؤ۔

سپاہی: ضرور جناب! (سپاہی جانے کے لیے نکلتا ہے)

امیر: جناب! ہمارے لائق کوئی اور خدمت؟

ابو حنیفہ: نہیں جناب۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

امیر: آپ کچھ تناول فرمائیں گے۔

ابو حنیفہ: میں آج روزے سے ہوں۔

امیر: جناب! آپ روزے سے نہیں ہیں۔

ابو حنیفہ: مانیں! میں روزے سے ہوں۔

ابو یوسف: جناب امیر! آج آپ کے روزہ کا دن ہے۔

ابو حنیفہ: (ابو یوسف کی طرف ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے) ابو یوسف!

امیر: جناب! ان پر ناراض نہ ہوں۔ ہم پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آپ پینتیس

سال سے صوم داؤدی رکھ رہے ہیں۔ آپ کے صاحب نوجوان تو کھانا تناول کریں گے۔

ابو حنیفہ: ابن موسیٰ یہ ابو یوسف ہے۔ جن دن میں روزہ رکھتا ہوں اسی دن یہ بھی

رکھتا ہے اور جس دن میں نہیں رکھتا یہ بھی نہیں رکھتا۔

(سپاہی ایک آدمی کو پکڑے ہوئے آتا ہے اسے ہتھکڑی

لگی ہوئی ہے۔)

سپاہی: جناب! اس نام کا یہی آدمی ہے۔

امیر: حضور! یہی ہے آپ کا پڑوسی۔

ابو حنیفہ: شاید یہی ہو۔

امیر: تعجب ہے آپ اسے جانتے نہیں۔

ابو حنیفہ: میں اس کا چہرہ نہیں پہچانتا البتہ اس کی آواز پہچانتا ہوں۔

امیر: (حیران ہوتے ہوئے) اس کی آواز۔

ابو حنیفہ: ہاں جناب۔ یہ پوری رات گاتا رہتا ہے۔

عاصم: جناب امام! آپ میرا گانا سنا کرتے تھے؟ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں

کہ پھر کبھی نہیں گاؤں گا۔

ابو حنیفہ: نہیں عاصم تم گایا کرو۔ چوکیدار نے تمہیں اس وجہ سے نہیں پکڑا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں میٹھی آواز سے نوازا ہے اس لیے تو تم رات کے وقت گاتے ہو اور یہ اس کی نعمت کا اظہار ہے۔

عاصم: اللہ آپ کو خیر سے نوازے۔ یعنی چوکیدار نے مجھے اس کی وجہ سے نہیں پکڑا۔

ابو حنیفہ: شاید انہوں نے تمہیں اس لیے پکڑا ہو کہ ان کے خیال میں تم علانیہ یہ تہمت لگاتے ہوئے کہ انہوں نے تمہیں برباد کر دیا حالانکہ انہوں نے تمہیں کوئی برباد نہیں کیا۔

عاصم: جناب! میں بہت برا ہوں۔

ابو حنیفہ: (بات کاٹتے ہوئے) تم گانا گا کر تسکین حاصل کرتے تھے جیسے دوسرے لوگ قرآن کی تلاوت سے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ بولو یہی بات ہے نا۔

عاصم: ہرگز نہیں حضور۔ میں تو.....

ابو حنیفہ: (بات کاٹ کر) عاصم! جھوٹ مت بولو۔ تم جانتے ہو ایک روز میں تمہارے پاس تمہیں ملنے کے ارادے سے آیا تھا تاکہ تمہیں بتاؤں کہ اگر تم اپنی یہ سریلی آواز ایک جھوٹے شعر کی بجائے قرآن پاک کی تلاوت میں استعمال کرو تو اس سے اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو گا؟ مگر تم نہیں ملے تھے۔

عاصم: (اپنی رائے پر قائم رہتے ہوئے) حضور! اس دن میں نے شراب پی رکھی تھی۔

ابو حنیفہ: (تھکی دیتے ہوئے) عاصم! میں جانتا ہوں۔

عاصم: آپ جانتے ہیں؟

ابو حنیفہ: ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ جب تم ایک برائی پر دوسری برائی کرتے تھے۔

عاصم: اللہ مجھے معاف کرے جناب (روتے ہوئے)

ابو حنیفہ: بھئی! رونے کیوں لگے ہو؟ کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں تمہیں پریشان اور

ملامت کرنے آیا ہوں۔ قسم بخدا عزیز پڑوسی! میں تو تمہیں دیکھنے اور

تمہارے بارے میں تسلی کرنے آیا ہوں۔ اس لیے کہ تمہاری وہ میٹھی

آواز میں نہیں سن پارہا تھا جو رات کی تاریکی میں مجھے سرور عطا کرتی تھی۔

عاصم: حضور! آپ میری حاجت روائی کے لیے مجھے ملنے آئے ہیں آپ یہ تو

جانتے ہیں کہ میں پوری رات اللہ کی نافرمانی کرتا تھا۔

ابو حنیفہ: عاصم! یہ پڑوسی کا حق ہے۔ واحد اللہ کی ذات ہے جو اپنے بندوں کو ان کے

گناہوں کا بدلہ دیتی ہے۔ جسے چاہے معاف کر دے، جسے چاہے سزا دے۔

عاصم: حضور! میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں۔ قسم بخدا! میں ایسی سچی توبہ

کروں گا کہ آپ کے پڑوس میں رہنے کا اہل ہو جاؤں۔

ابو حنیفہ: عاصم! اللہ تجھے برکت دے۔ تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے جسے میں

زندگی بھر نہیں بھلا سکوں گا۔

عاصم: جناب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ احسان اور مہربانی تو آپ نے مجھ پر کی

ہے۔

ابو حنیفہ: نہیں! ابن عبدالعزیز میں ہر رات تمہارے لیے اللہ سے دعا کیا کرتا تھا

کہ وہ تمہیں ہدایت عطا فرمائے اور تجھے توبہ کی توفیق بخشے۔ جب میں

نے تیری آواز نہ سنی تو پتا کرانے پر معلوم ہوا کہ تم حوالات میں بند

ہو۔ میں ڈرا کہ شاید میرے کسی عمل میں کوئی خرابی ہے کہ دعا قبول

نہیں ہو رہی تم کیسے میرے محسن نہیں ہو۔ تمہی نے تو مجھے یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو شرف قبولیت بخشا ہے اور وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے۔

عاصم: (روتے ہوئے) اے ابو حنیفہ، اے امام المسلمین! کیا آپ مجھ پر ایک اور احسان فرمائیں گے۔

ابو حنیفہ: ہاں عاصم! بیان کرو۔

عاصم: مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل ہے۔ تاکہ میں اسے بجالاؤں۔

ابو حنیفہ: اور اگر وہ تم پر گراں گزرے تو۔

عاصم: اگرچہ وہ گراں لگے۔

ابو حنیفہ: عاصم! اللہ کی راہ میں جہاد۔

عاصم: اللہ کی قسم! اب تو میں اللہ کی راہ میں ضرور جہاد کروں گا حتیٰ کہ جام شہادت نوش کر لوں۔

ابو حنیفہ: تم بیوی بچوں والے ہو۔ تم ان کے لیے محنت کرو۔

عاصم: لیکن میں اللہ کی راہ میں جہاد کو ترجیح دیتا ہوں۔

ابو حنیفہ: بیوی بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کے لیے محنت کرنا گویا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

امیر: عاصم! جاؤ تمہیں رہا کیا جاتا ہے۔

عاصم: محترم امیر اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔

امیر: جزائے خیر کے تو تم حقدار ہو۔ جس کی وجہ سے ہمیں جناب ابو حنیفہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔

غلام! سنو۔

جی جناب۔

غلام:

عاصم بن عبدالعزیز کو ہزار درہم دے دو۔ اس رات جتنے لوگ اس کے ساتھ پکڑے گئے تھے۔ ان سب کو رہا کر دو۔

امیر:

عیسیٰ بن موسیٰ! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں آپ کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کروں گا۔

ابو حنیفہ:

جناب ابو حنیفہ! زندگی میں میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی سعادت اور خوش بختی کا دن نہیں آئے گا۔ اللہ کی قسم! اگر اس کے بدلے مجھے اپنی عمر بھی داؤ پر لگانی پڑے تو میں پھر بھی نفع میں ہوں گا۔

امیر:

عظیم امام

ایک دہ گراں، پیکر عزم و استقلال ہستی کے غفور و درگزر کی جھلک جسے!

”اس جرم میں کہ وہ کلام الہی کو اس کے موصوف کی طرح ازلی اور قدیم کیوں مانتے ہیں؟ قید کیا گیا اور چار چار بیڑیاں پاؤں میں ڈالی گئیں۔ اس حالت میں انہیں بغداد سے طرطوس لے گئے اور حکم تھا کہ کسی کی امداد کے بغیر اونٹ پر سوار ہوں اور اتریں عین رمضان کے آخری عشرہ میں کوڑوں کی سزا دی گئی۔

ہر جلاہ اپنی پوری قوت سے دو کوڑے لگاتا اور ہٹ جاتا اور دوسرے دو کوڑے لگانے کے لیے تازہ دم جلاہ طلب کیا جاتا۔ لیکن اس عزم و ثبات کے پہاڑ کو جنبش تک نہ ہوئی۔ نہ آنکھوں میں آنسو، نہ لب پہ شکوہ، اور نہ دل میں ملال۔ ہر بار اعتراف جرم کا نیا سودا۔ وقفہ ملنے پر پوری جرأت سے اعلان فرماتے۔ قرآن کلام الہی ہے مخلوق نہیں۔“ (سنت خیر الانام: ۱۷۵)

7۔ عظیم امام

عباسی خلیفہ متوکل کا دربار ہے، متوکل تخت پر جلوہ افروز ہے، وزراء مملکت
مسند آراء ہیں۔

(دربان یعقوب داخل ہوتا ہے۔)

متوکل: یعقوب! تمہارے پیچھے کون ہے؟

یعقوب: امیر المومنین! یہ احمد بن ابی داؤد ہے جسے آپ کے حکم پر گرفتار کر کے
لائے ہیں۔

متوکل: پھر اس نابکار کو پیش کرو۔

یعقوب: ضرور جناب!

(یعقوب باہر نکلتا ہے اور ابن ابی داؤد کو لے کر آتا ہے۔)

اسے دو سپاہی پکڑے ہوئے ہیں حاضرین مجلس کی نگاہیں
اس پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔)

متوکل: اسے زمین پر دیوار کے ساتھ بٹھا دو۔

(ابن ابی داؤد کو زمین پر ایک کونے میں دیوار کے ساتھ
بٹھا دیا جاتا ہے۔ فالج کا مریض ہے حرکت نہیں کر سکتا۔)

ابن ابی داؤد: السلام علیکم امیر المومنین!

متوکل: و علی غیرک السلام (تیرے علاوہ پر سلام) ابو داؤد! جناب احمد بن

حنبل کے ساتھ جو تو نے برتاؤ کیا اس کے بارے میں کچھ بتاؤ گے؟

ابن ابی داؤد: میرے خیال میں امیر المومنین اس سے لاعلم نہیں ہیں۔

متوکل: کیا یہ درست ہے کہ ان پر دو جلاذ مقرر کیے گئے تھے اور وہ جناب امام کو اس قدر زور سے مارتے کہ ان پر غشی طاری ہو جاتی۔

ابن ابی داؤد: جی ہاں۔

متوکل: کیا تمہارے خیال میں وہ اس سزا کے مستحق تھے؟

ابن ابی داؤد: جی.....؟

متوکل: ان کا جرم کیا تھا۔

ابن ابی داؤد: وہ قرآن کو مخلوق نہیں مانتے تھے۔

متوکل: آیا اس سے ان کا مقصد فتنہ انگیزی تھا۔

ابن ابی داؤد: نہیں امیر المومنین! نہیں۔ وہ اجتہادی غلطی پر تھے۔

متوکل: تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ غلطی پر تھے۔ کیا تو ان سے بڑھ کر عالم دین اور سنت کا پیرو ہے؟

ابن ابی داؤد: اس عمل میں میں تنہا نہیں تھا۔ بلکہ آپ کے پدر بزرگوار امیر المومنین معتمد بھی میرے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

متوکل: کیا معتمد امام احمد سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے؟

ابن ابی داؤد: بلکہ آپ کے چچا امیر المومنین مامون بھی ہمارے شریک کار تھے۔

متوکل: وہ امام احمد سے زیادہ کتاب و سنت کے عالم تھے؟ اس وجہ سے کہ وہ فلسفہ

یونان کے سب سے زیادہ شیدائی تھے؟

ابن ابی داؤد: مملکت کے سیاسی حالات اس امر کے متقاضی تھے۔

متوکل: کونسی مملکت! ہماری مملکت یا ہمارے دشمن علویوں کی مملکت؟

ابن ابی داؤد: جناب! آپ آل عباس کی مملکت۔
متوکل: اور مامون! وہی جس نے دولت عباسیہ کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں
چھوڑی۔ اور ہم سے اقتدار چھین کر آل ابی طالب کو دینے کی ناکام
کوشش کی۔

متوکل: اس پر تمہیں کوئی سزا نہیں ہوگی بلکہ سزا تو ان مظالم پر ہوگی جو تو نے
بے گناہ امام احمد پر ڈھائے اور انہیں چچا مامون، والد معتمد اور بھائی
واثق کے دور میں ذلت آمیز اذیت میں مبتلا رکھا۔

ابن ابی داؤد: جناب! وہ تو آل علی کے طرفدار ہیں۔
متوکل: ہمارے سپاہیوں نے ان کے گھر کی تلاشی لی ہے، وہاں کوئی علوی نہیں
ملا۔ تم ان پر تہمت لگاتے ہو۔

ابن ابی داؤد: شاید انہوں نے چھپا دیا ہو یا بھگا دیا ہو۔
متوکل: خاموش رہو تم جھوٹ بکتے ہو ذلیل! خدا کی قسم! میں تمہارا باقی ماندہ
مال بھی ضبط کر لوں گا اور تمہارے پاس کوڑی تک نہیں چھوڑوں گا۔
ابن ابی داؤد: امیر المومنین! خدا را ایسا نہ کیجئے، میرے حال پر رحم فرمائیں، میرے
اہل و عیال کے لیے تو کچھ چھوڑ دیں۔ آپ نے جو پہلے ضبط کر لیا ہے
میرے لیے وہی کافی ہے اسی صدمے سے تو مجھے فالج ہوا ہے۔ اللہ آپ
کو عافیت دے اور اپنی پناہ میں رکھے۔

متوکل: یہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے میری سزا کا مزہ چکھنا ابھی باقی ہے۔
ابن ابی داؤد: جناب! ابن حنبل کے معاملہ میں مجھے تنہا سزا دینا کوئی انصاف نہیں۔
متوکل: کہنے! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہارے شرکاء کا مامون، معتمد اور وثاق کی
قبروں کو کھودا جائے۔

ابن ابی داؤد: اللہ کی پناہ! میں تو آپ سے صرف معافی کا خواستگار ہوں۔ اور مجھے آپ سے معافی کی ایسے ہی امید ہے جیسے ان کے بارے میں اللہ سے معافی اور بخشش کی امید ہے۔

(یعقوب داخل ہوتا ہے۔)

یعقوب: حضور! جناب احمد بن حنبل تشریف لے آئے ہیں۔

متوکل: تو پھر انہیں اندر لے آئیں۔

(یعقوب باہر نکلتا ہے۔)

متوکل: تجھے جناب احمد بن حنبل کے سپرد کردوں تاکہ وہ میرے بارے میں خود فیصلہ فرمائیں کیا تمہیں منظور ہے؟

ابن ابی داؤد: آپ صاحب اختیار ہیں۔ چاہیں تو خود عدل کریں چاہیں دشمن کے حوالے کر دیں۔

متوکل: کیا تو ان کو اپنا فیصلہ نہیں بنانا چاہتا۔

ابن ابی داؤد: امیر المؤمنین! میں تو صرف آپ کا فیصلہ چاہتا ہوں۔

متوکل: اب تم بالکل خاموش ہو جاؤ اور منہ سے کوئی لفظ نہ نکالنا۔

(جناب امام احمد بن حنبل دربار میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

خلفیہ اور اس کے حاشیہ نشین تعظیماً کھڑے ہو جاتے

ہیں۔ متوکل انہیں اپنی ایک طرف بٹھاتا ہے۔)

متوکل: خوش آمدید ابو عبد اللہ! آپ بڑے بلند حوصلہ اور وسیع الطرف اور

فراخ دل انسان ہیں۔

احمد: اللہ تعالیٰ آپ کی صلاح فرمائے۔ آج آپ کا حکم پہنچا سو تعمیل حکم کے

- لے آپ کے پاس چلا آیا۔ جناب! میرے لائق کوئی خدمت۔
متوکل: ابو عبد اللہ! معلوم ہوا ہے کہ آپ مجھ سے ناراض ہیں۔ چاہتا ہوں آپ سے اس کی وجہ پوچھوں۔
احمد: کیسی ناراضگی۔ امیر المومنین!
متوکل: آپ ہماری مجلس کو رونق بخشنا پسند کرتے ہیں۔
احمد: نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ میں تو بلا ضرورت آنے کو ناپسند کرتا ہوں۔ تاکہ آپ کے کام میں خلل نہ پڑے۔
متوکل: بلکہ آپ نے اب بھی بغداد سے ہمارے پاس آنا پسند نہیں کیا۔
احمد: سفر کی صعوبت سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے تھوڑی سی پس و پیش کی۔ بوڑھا جو ہو گیا ہوں۔
متوکل: بڑے بڑے نکلے ہیں سپاہی۔ انہوں نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ میرے ساتھ ملنا اور مجھ سے کوئی شے لینا ناپسند کرتے ہیں۔ ورنہ میں سفر کی مشقت دور کرنے کے لیے آپ کے لیے سواری کا بندوبست کر دیتا۔
احمد: یہ خبر بھی بالکل ویسی ہے جیسی اس سے قبل آپ کو میرے گھر کے متعلق ملی تھی کہ میں نے آپ کے دشمن کو پناہ دے رکھی ہے۔
متوکل: ہاں..... جناب ابو عبد اللہ! بندہ سے درگزر فرمائیں کہ میں نے خواہ مخواہ آپ کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا۔
احمد: امیر المومنین! میں نے تو آپ کے کہنے سے پہلے ہی درگزر کر لیا ہے۔
متوکل: وہ حد یہ جو میں نے آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ آپ نے اس میں اپنے لیے کچھ نہیں لیا بلکہ تمام کا تمام فقراء اور مساکین میں بانٹ دیا ہے۔

احمد: میں نے انہیں اپنے سے زیادہ ضرورت مند سمجھا اس لیے اسے ان پر صدقہ کر دیا۔ اس سے خدا کی قسم آپ کو ناراض کرنا مقصود نہیں تھا۔

متوکل: مجھے تو اس سے تکلیف ہوئی ہے۔

احمد: (مزاح کرتے ہوئے) یاد ہے؟ آپ نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اس کے پاس تو پھر بھی ناراضگی کا جواز تھا..... آپ کے پاس تو کوئی جواز نہیں۔

متوکل: ابو عبد اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ قسم بخدا۔ میں آج کے بعد کسی چغلخوڑ کی کوئی بات نہیں سنوں گا۔

احمد: اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔

متوکل: آپ نے مجھ سے تو درگزر فرمالیا ہے۔ لیکن میرے باپ معصوم کو بھی معاف فرمائیں گے۔

احمد: میں نے تو انہیں بھی معاف کر دیا ہے۔

متوکل: ابو عبد اللہ! کیا یہ سچ ہے کہ میرے بارے میں آپ کے دل میں کوئی میل نہیں رہا۔

احمد: صرف آپ ہی نہیں بلکہ اذیت دینے والوں میں کسی کے بارے میں بھی میرے دل میں کوئی رنجش نہیں۔ میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔

متوکل: اس لعین مجرم کو بھی۔ (ابن ابی داؤد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

احمد: (متوکل کے اشارے کی طرف دیکھتے ہوئے) امیر المومنین! یہ

کون ہے؟

متوکل: اسے آپ نہیں جانتے۔ یہ آپ کا دشمن احمد بن ابی داؤد ہے۔

احمد: اب یہ میرا دشمن نہیں رہا۔ میں نے اسے درگزر کرتے ہوئے معاف کر

دیا ہے۔

متوکل: یعقوب!

یعقوب: حاضر، جناب!

متوکل: اس نامراد کو اس کے گھر چھوڑ آؤ۔

ابن ابی داؤد: (باہر لیجانے کے لیے دو سپاہی اسے پکڑتے ہیں) امیر المومنین! ابو عبد اللہ نے میرے بارے میں فیصلہ کر دیا ہے۔

متوکل: دفع ہو جاؤ۔ تو نے انہیں اپنا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ اب تیرا فیصلہ میں خود ہی کروں گا۔

ابن ابی داؤد: امیر المومنین مجھ پر رحم کریں اور میرے معاملہ کو ان کے سپرد ہی کریں۔ (سپاہی ابن ابی داؤد کو لے کر باہر نکلتے ہیں۔ وہ چیختا، چلاتا اور فریاد کرتا ہے)

احمد: امیر المومنین! اس کی کیا خطا ہے، کیا ابن ابی داؤد نے کوئی غلطی کی ہے۔

متوکل: میں اس سے آپ کا انتقام لینا چاہتا تھا۔ لیکن آپ نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اس لیے میں نے اسے واپس گھر بھیجنے کا حکم دے دیا ہے۔

احمد: اللہ تعالیٰ آپ کو عزت سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ ذمہ کرم پر ہے۔

متوکل: ابو عبد اللہ! یہ وہی بد ذات ہے جس نے آپ کو مصائب میں مبتلا کیا اور آپ ظلم و ستم ڈھائے۔ اور میرے باپ اور چچا کو آپ کو اذیت دینے پر برا بیچتے کیا۔

احمد: (عاجزی سے ہاتھ بلند کرتے ہوئے) یا اللہ! ابن ابی داؤد کی مغفرت فرما۔ اے اللہ! اس کی توبہ کو شرف قبولیت عطا کر۔

متوکل: ابو عبد اللہ! آپ اس کے لیے دعا کرتے ہیں؟ ایک فاسق مجرم کیلئے؟
احمد: (اپنی دعا جاری رکھتے ہوئے) اے اللہ! اگر تو امت محمدیہ کے گنہگاروں سے فدیہ کو قبول کرتا ہے تو مجھے ان کے لیے فدیہ بنا لے۔
(حاضرین مجلس پر گہرا خشوع طاری ہو جاتا ہے۔
آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ کچھ وقت کے لیے مکمل سکوت چھا جاتا ہے)

متوکل: ابو عبد اللہ! ہم آپ کی صحبت بابرکت سے مستفیض ہونا چاہتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں ”سرمن رای“ میں قیام کر کے شرف میزبانی ہمیں بخشیں گے۔
احمد: اگر آپ مجھ پر مہربانی کریں اور مجھے بغداد میں اپنے گھر واپس لوٹنے کی اجازت دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہوں گا۔

متوکل: میرے پاس رہنے سے اعراض کر رہے ہیں یا جناب کو اپنی خدمت میں میری کسی کوتاہی پر کوئی شکایت ہے؟
احمد: سچ بات یہ ہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ آپ مجھ پر اپنے باپ معصوم سے بڑھ کر سخت ثابت ہوں۔

متوکل: وہ کیسے؟ ابو عبد اللہ!
احمد: کل آپ کے باپ نے دین کی آزمائش میں ڈالا تھا۔ اور آج آپ مجھ پر اور میرے اہل و عیال پر عنایت کی بارش کر کے مجھے دنیا کی آزمائش میں ڈال رہے ہیں۔ پہلی آزمائش تو میں سرخرو ہو گیا ہوں۔ البتہ ڈر ہے کہ اس دوسری آزمائش میں سرخرو نہیں ہو سکوں گا۔
متوکل: میں آپ کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ جیسے آپ کی خوشی۔

احمد: (خوش ہو کر) اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے، اور خیر و بھلائی کی توفیق دے۔

متوکل: اپنے جانے سے پہلے آپ مجھے کوئی نصیحت ہی فرمائیں۔ جو میرے لئے تاحیات حضر راہ کا کام دے۔

احمد: اے اللہ کے بندے! سفر قریب ہے، راستہ طویل ہے، زاد راہ قلیل ہے۔

متوکل: (روتے ہوئے) واقعی! اے بندہ خدا سفر قریب ہے، راستہ طویل ہے، زاد راہ قلیل ہے۔

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

عدل و انصاف

بنو عباس کے ایک روشن کردار کی رعایا پروری کی ایک مثال۔ جس کے بارے میں عبداللہ بن طاہر بیان کرتے ہیں۔

”میں ایک دن مامون الرشید کے پاس بیٹھا تھا۔ کہ انہوں نے اپنے نوکر کو آواز دی۔ اے لڑکے! مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے دوبارہ آواز دی تو ایک ترکی لڑکا بڑبڑاتا ہوا نکلا اور تند لہجے میں کہنے لگا۔ ”جب کبھی ہم آپ کے پاس سے نکلتے ہیں آپ لڑکے لڑکے پکارنے لگتے ہیں۔ آخر ہم کب تک یہ لڑکے لڑکے کی آواز سنتے رہیں گے۔“

مامون نے یہ سن کر گردن جھکالی۔ یہاں تک کہ مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس لڑکے کی خیر نہیں۔ ابھی مجھے اس کے قتل کا حکم ملتا ہے۔ لیکن چند لمحوں بعد مامون نے مجھے مخاطب ہو کر کہا۔

”عبداللہ! اگر کوئی شخص اپنے اخلاق اچھا رکھنے کی کوشش کرے تو اس کے نوکروں کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور اگر اس کے اپنے اخلاق خراب ہو جائیں تو اس کے نوکر خوش خلق ہو جاتے ہیں۔ لیکن ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کریں گے کہ اپنے نوکروں کے اخلاق سنوارنے کے لئے اپنا مزاج بگاڑ لیں۔

(الیواقیت العصریہ: ۱۴۲)

۸۔ عدل و انصاف

عباسی خلیفہ مامون کا دربار عام لگا ہوا ہے۔ خلیفہ اپنی مسند پر رونق افروز ہے۔ مظلوم اپنی شکایات اور فقیر اپنی حاجات پیش کر رہے ہیں۔ خلیفہ اپنے دربان حمزہ سے کہتا ہے۔

مامون: اور تم حمزہ! دروازے پر دیکھو آیا کوئی مظلوم، سائل باقی تو نہیں رہ گیا۔
مجلس برخواست کرنے سے پہلے اسے میرے روبرو پیش کرو۔
(ایک لمحہ بعد)

حمزہ: امیر المؤمنین دروازے پر ایک عورت ہے۔ محسوس ہوتا ہے دور سے سفر کر کے آئی ہے۔ اور بیچاری کا بوسیدہ سالباس ہے۔
مامون: اسے فوراً اندر بلاؤ۔

عورت: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ امیر المؤمنین!

مامون: وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ خاتون!

عورت: میں آپ کے پاس ایک ضرورت کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔

مامون: تم اپنی ضرورت بیان کرو۔

عورت: آپ ایک منصف مزاج اور نیک سیرت حکمران ہیں۔ آپ کے

انصاف کی روشنی سے ملک کے درودیوار روشن ہیں۔ میں ایک مظلوم

اور بے بس عورت ہوں۔ جس کے غریب خانے پر ایک ظالم حملہ آور

ہوا۔ سرمایہ لوٹ لیا۔ اثاثہ چھین لیا اور بچوں اور گھروالے کو مجھ سے جدا

کر دیا۔ سو عدل و انصاف کی خواستگار ہوں۔

مامون: صبر و تحمل سے کام لو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے گا۔ اس میں کسی سے کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ عصر کی اذان ہو رہی ہے۔ اب تم جاؤ اور کل اپنے ملزم کو ساتھ لے کر آنا۔ ہم تمہیں اس سے انصاف دلائیں گے۔

(اگلے دن مامون پھر دربار لگاتا ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی دادرسی کی جاسکے جن کے ساتھ گزشتہ دن وعدہ کیا تھا۔ خلیفہ کے ایک پہلو میں اس کا بیٹا عباس بیٹھا ہے۔ دربار میں آج سب سے پہلے وہی عورت آئی جو کل انصاف کے لئے آئی تھی۔)

عورت: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امیر المؤمنین!

مامون: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خاتون محترم، ہاں تو تم آگئی ہو۔

عورت: امیر المؤمنین! مظلوم کا کام آنا ہی تو ہے۔

مامون: اپنا حق ملنے تک وہ معذور ہے۔

عورت: امیر المؤمنین نے مجھ پر ڈھائے جانے والے ظلم و ستم پر ہمدردانہ غور فرمایا ہے؟

مامون: لیکن تمہارا ملزم کہاں ہے؟

عورت: (خاموش رہتی ہے)

مامون: تم خاموش کیوں ہو؟ بولتی کیوں نہیں؟

عورت: امیر المؤمنین! میرا ملزم آپ کے دربار میں اس وقت موجود ہے۔ لیکن اس کا نام لینے سے ڈرتی ہوں۔

مامون: اللہ کی بندی! وہ کون ہے؟ بتاؤ۔ ڈرو مت۔ تم مامون کے دربار میں

کھڑی ہو۔

عورت: امیر المؤمنین! میرا ملزم آپ کا اپنا بیٹا ہے جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہے۔

مامون: میرا بیٹا عباس؟

عورت: ہاں امیر المؤمنین! یہی مجھ پر ستم ڈھانے والا ہے۔

مامون: عباس! عورت کے ساتھ کٹہرے میں جا کر بیٹھو۔

عورت: امیر المؤمنین! عار محسوس کر رہا ہے..... آپ کا بیٹا جو ہوا۔

مامون: (غصے سے) عباس! عورت کے ساتھ کٹہرے میں جا کر بیٹھو۔ وگرنہ

میں سپاہی کو حکم دوں گا کہ تمہیں پکڑ کر اس میں بٹھائے۔

عورت: (بلند آواز سے) مجھ پر ظلم کرتا ہے، اور اب کٹہرے میں بیٹھنا گراں سمجھتا ہے۔

حمزہ: عورت! تم امیر المؤمنین کے سامنے ہو اور ان سے بات کر رہی ہو اس لئے اپنی آواز دھیمی رکھو۔

مامون: (غصے سے) حمزہ خاموش ہو جاؤ۔ اسے بولنے دو۔ خاتون! عباس نے تمہارے ساتھ کیا زیادتی کی ہے۔

عورت: اس نے میرا مال غضب کیا ہے۔ میرے شوہر اور بچوں کو مجھ سے جدا کر دیا ہے۔

مامون: عباس! واقعی تو نے عورت کے ساتھ ایسا کیا ہے۔

عورت: امیر المؤمنین! یہ انکار نہیں کر سکتا۔ اگر اس نے انکار کیا تو میرے پاس اس کے ہر کو تو ت پر گواہی موجود ہے۔

مامون: عباس! تم خاموش کیوں ہو؟ الزام کا جواب دو۔

عورت: حق کی آواز اس کی آواز سے بلند ہے۔ اسی لئے تو وہ خاموش ہے۔

عورت! اپنی حد میں رہو۔ مت بھولو کہ وہ امیر المومنین کا بیٹا ہے۔
حمزہ:
(طیش میں آکر) حمزہ چپ رہو۔ میرے سامنے سے ہٹ جاؤ۔ اللہ کی قسم! یہ حق ہی ہے جس نے ایک عورت کو بولنے کی جرأت عطا کی ہے اور امیر کی زبان کو گنگ کر دیا ہے۔
مامون:

عورت:
مامون:
امیر المومنین! اس کی خاموشی میری سچائی پر واضح اور روشن دلیل ہے۔
اللہ کی بندی! میں تیرا غضب شدہ سامان واپس کرنے کا حکم دیتا ہوں اور تمہارے شہر کے عامل کے نام حکم نامہ جاری کرتا ہوں کہ تجھے تیرا مال واپس لوٹائے اور تیرا بخوبی خیال رکھے اور جو تمہارا نقصان ہوا اسے شاہی خزانہ سے پورا کرے۔ عباس نے تم پر جو ظلم کیا ہے اسے اس کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ دربان! حمزہ! اس عورت کو بیت المال کی طرف لے جاؤ اور نگران سے کہو کہ اسے اس قدر زور دے کہ وہ اس سے یہ آسانی اور عزت کے ساتھ اپنے گھر لوٹ سکے۔

کتابِ رشد و ہدایت کی ہمہ گیر آفاقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے
نور و سرور اور جذبہ حب رسول ﷺ پر مبنی آیات احکام کی مفصل وضاحت
اردو زبان میں پہلی مرتبہ

تفسیر احکام القرآن

مفسر قرآن، علامہ مفتی محمد جلال الدین قادری

آیات احکام کا مفصل لغوی و تفسیری حل امہات کتب تفسیر کی روشنی میں
مفسرین کی تصریحات کے مطابق پیش کیا گیا۔

اس لئے یہ کتاب طلباء، علماء، وکلاء، ججز

اور عوام و خواص کے لئے قیمتی سرمایہ

آج ہی طلب فرمائیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

Click For More Books

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

شرعہ جعفریہ

ضیاء الہدی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز۔ لاہور